UNIVERSAL LIBRARY

(سلسلۂ تہذیب نمبر ۳)

سخن از مطرب و مے گو و راز دہر کمتر جو
کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت این معمارا

ہندوستان کی موسیقی

ادیب بے ہمتا مولانا مولوی محمد عبدالحلیم صاحب شرر

کا

ایک مبسوط لکچر جس مین اُس کی ابتدا اُس کے تغیرات اور
اُس کے تدابیر ترقی بڑی خوبی و وضاحت کے ساتھ بتائے گئے ہین

جو

بڑودہ کی میوزک کانفرنس منعقدہ آخر مارچ سنہ ۱۹۱۶ء مین
پیش ہونے کے لیے

ہیچمیرز خاکسار محمد سراج الحق (حکیم) منیجر و پبلشر کے اہتمام سے
مارچ سنہ ۱۹۱۶ء مین
دلگداز پریس مین چھپ کے شائع ہوا



جن فنون کے ذریعہ سے جذبات انسانی کا ظہور ہوتا ہے
اُن میں سب سے زیادہ جس فن سے انسان نے کام لیا اور اکثر
لیتا رہتا ہے وہ موسیقی ہے۔ فلاسفہ کا مقولہ ہے "جن جذبات دلی
کے اظہار سے زبان و الفاظ عاجز رہ جاتے ہین اُن کو نغمہ اپنے
سُرون اپنی لَے اور اپنے زمزمون سے ادا کرتا ہے۔ اور ایسی خوبی
سے ادا کرتا ہے کہ نفس انسانی اُس پر عاشق ہو جاتا ہے۔ اور روح
مین عجیب رقت و نرمی پیدا ہو جاتی ہے" گانا انسان کی سرشت مین
داخل ہے۔ اور حیوانات تک اُس سے متاثر ہوتے ہین۔ رَجز خوانی
سے سپاہی کا حوصلہ بڑھتا ہے۔ پنہاری گا گا کے اپنی محنت کو خوشگوار
بناتی ہے۔ مان بیٹے کی لاش پر بین کرکے دل کی بھڑاس نکالتی ہے۔
عاشق غزل سرائی مین فراق کا غم غلط کرتا ہے۔ بچہ مان کی لوری سُن سُن
کے سوتا ہے۔ اونٹ حُدی کے نغمے پر مست خرامی کرتا ہے۔ گھوڑا سیٹی
کی آواز پر پانی پیتا ہے۔ اور سانپ بین کے لہرے پر جھومنے لگتا ہے۔
یہ سب نیچرل نغمے مدرسہ موسیقی کے مختلف کلاس ہین۔

جو لوگ گانے کو حرام بتاتے ہین اُن کی طبیعت بھی جب مزے

پر آتی ہے تو خلوت ہی مین بیٹھے بیٹھے ترنّم کرنے لگتے ہین۔ مگر باوجود
اِس ذوق وشوق اور رُجحان عام کے ہمین یہ دیکھ کے بڑی
حیرت ہوتی ہے کہ ایسے ضروری اور اہم فن کی طرف سے لوگون کو
اِس قدر بے اعتنائی کیون ہے؟ فنون لطیفہ مین سے شاعری کی
ترقی مین ہم ساعی ہین۔ مصوری کی بھی اتنی قدر کرتے ہین کہ نصاب
تعلیم مین داخل کر لیا ہے۔ ایک بے پروا ہین تو موسیقی کی طرف سے جو
سب سے مہتم بالشان اور انسانی جوش و جذبات کے ظاہر ہونے
کا سبب سے زیادہ ضروری۔ قوی۔ اور موثر آلہ ہے۔

مگر ہماری اِس بے حسی سے بھی موسیقی کو ایسا ضرر نہین
پہونچ سکتا کہ فنا ہو جائے۔ موسیقی کو فطرت نے ایجاد کیا ہے۔ اور
وہی ہر شخص کو ایک مناسب حد تک اُس کی تعلیم بھی دے دیا کرتی
ہے۔ وہ بے سیکھے جوش کے موقعون پر نغمہ سرا بن جاتا ہے۔ اور سُریلی
آواز سُن کے محظوظ ہوتا ہے۔ نغمہ سنج طیور قدرت کا مکمل و دلکش
ترین ارغنون ہین۔ جو لَے اور سُر دونون حیثیتون سے ایک نہایت
ہی اعلی درجے کا نغمہ سُنا کے ہمین مست و از خود رفتہ بناتے ہین۔ اور
پھر اُسی نغمے کو ہم اپنے گلے کے سرون مین ڈھونڈنے لگتے ہین۔

الغرض انسان کے جذبات فطری نے موسیقی کو ہر ملک
ہر سرزمین اور ہر قوم مین خود رَو طریقے سے پیدا کیا۔ مگر جن
قومون کے تمدن نے ترقی کی اور جنھون نے علم و فضل مین نمود
حاصل کی اُنھون نے اپنی زبانون مین اِس فن کو بھی باضابطہ و مہذب
بنا لیا۔ اور اپنے ہُنر سے نغمے کی قدرتی کشش اور زیادہ بڑھا دی

بنی اسرائیل - مصری - اشوری - بابلی - یونانی - اور رومی سب نے اپنی اپنی باری مین اِس فن کو ترقی دی - اور اپنا فرض ادا کیا - لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ہماری موسیقی کیسی ہے؟ اور ہم نے اُس کے لیے کیا کیا ہی؟

ہندی موسیقی

جس طرح ہندوستان کی تاریخ تو ایک راز سربستہ ہی مگر اُس کی تہذیب و شائستگی کا سب سے قدیم اور اعلی و اکمل ہونا یقینی ہے اُسی طرح یہان کا اگلا موسیقی بھی اگرچہ ایک عقدۂ لاینحل ہے مگر اِس مین کوئی شک نہین کرسکتا کہ ہندوستان کی آریہ قوم نے موسیقی کو سب سے پہلے اور سب جگہ سے زیادہ ترقی دی تھی - اور اُسے بہت ہی اعلی درجے کا مکمل و بے مثال فن بنادیا تھا - موسیقی کی تعلیم ویدکی تعلیم کے ساتھ وابستہ تھی - اور گانا بجانا عبادت مین داخل تھا - تمام وید کے بھجن گاکے ادا کیے جاتے تھے - "اُپ ویدون" مین وہ بہ حیثیت ایک فن کے مرتب کی گئی - اور مقدس و خدارس لوگون کے نصاب تعلیم مین داخل ہوئی -

مگر افسوس پُرانا میوزک لٹریچر دست بُرد زمانہ کی نذر ہوگیا - آج ہندوستان کے اُس عہد اوّلین کی کوئی ایسی تحریر نہین موجود ہے جس سے پتہ لگایا جاسکے کہ اُسوقت کا موسیقیِ ہند کیا تھا؟ کیسا تھا؟ کیونکر ادا کیا جاتا تھا؟ اور اُس کے اُصول کیا تھے؟

ہمارے موجودہ فن موسیقی کی علت مادی وہی دو عنصر ہین جو ہندوستان کے تمام تمدنی شعبون کے عناصر واقع ہوئے ہین اور وہ دونون عناصر ہندو مسلمانون کے علوم ہین - اور اُنھین

دونون کی وقعت و اہمیت سے ہماری موسیقی کی بھی قدر معلوم ہوسکتی ہے۔ اسی خیال سے ہم اِن دونون قومون اور اُن کی زبان کی موسیقی کی تاریخ جُدا جُدا بیان کرتے ہین۔ اور اِس کے بعد حتی الامکان یہ بیان کرین گے کہ اِن دونون کے ملنے سے اس فن کی کیا صورت ہوگئی اور اب اُس کی کیا شان ہے۔

خالص ہندو موسیقی۔

مسلمانون کے آنے سے پیشتر ہندؤن کا موسیقی کیسا تھا اس بارے مین سوا اِس کے کہ بے عذر و تردّد تسلیم کرلیا جائے کہ وہ بہت اچھا تھا اور نہایت مکمل تھا اور کچھ نہین کہا جاسکتا۔ اِسلئے کہ اِس فن کی نوعیت پر اُس وقت کی کوئی کتاب موجود نہین ہے وید کے پرانے گیت ہین مگر خبر نہین کہ اُن کا نغمہ کیا اور کیسا تھا۔ موسیقی پر سنسکرت کی سب سے پہلی کتاب ”رتناکر“ بتائی جاتی ہے جسے سارنگ دیو پنڈت نے بارھوین صدی عیسوی مین تصنیف کیا تھا۔ جب کہ مسلمانون کو ہندوستان مین آئے چار صدیون کے قریب زمانہ گزر چکا تھا۔ اور شمالی ہند مین غوری سلاطین حکومت کر رہے تھے۔

مگر اس سے بھی زیادہ حیرت کی یہ بات ہے کہ ”رتناکر“ کی موسیقی بھی آج دنیا مین کسی کے سمجھ مین نہین آسکتی۔ اور نہین کہا جا سکتا کہ ہماری موجودہ موسیقی کو اُس سے کہان تک تعلق ہے۔ ہمارے عہد کے قابل و مستند مصنف موسیقی راجہ نواب علی خان صاحب رئیس اودھ اپنی کتاب ”معارف النغمات“ مین تحریر فرماتے ہین ”افسوس ہے کہ اسوقت ہندوستان مین ایک شخص بھی ایسا موجود نہین جو اس کتاب کو سمجھ سکتا

یا ادا کر سکتا ہو۔ یہان تک کہ اِس کتاب کے بعد جو گرنتھ لکھے گئے اُن کے مصنفین نے بھی رتناکر کے مضمون کو بخوبی نہین سمجھا"

تاہم اِس سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ مذہب کی مربّی گری سے یہان رقص و سرود ہزار ہا سال پیشتر سے چلا آتا تھا۔ شمالی ہند مین متھرا۔ اجودھیا اور بنارس اِس کے بڑے مرکز تھے۔ اور دکن کے بڑے بڑے مندرون مین بھی اِس فن کی بخوبی پرورش ہوتی رہتی تھی۔ آج سے ساڑھے بارہ سو برس پہلے جب عرب مسلمان سندھ مین آئے ہین تو ملتان کے مندر مین سیکڑون ہزارون ناچنے گانے والی عورتین موجود تھین۔ اور گجرات کے بعض راجاؤن کے ساتھ عورتین راستے مین مُجرا کرتی جاتی تھین۔

اسکے بعد ہندوستان مین موسیقی کے متعلق جو کچھ ہوا خالص ہندو کوشش کا نتیجہ نہ تھا بلکہ ہندو مسلمان دونون اُس مین شریک تھے۔ اور مجتمعہ فن موسیقی کا آغاز ہو چکا تھا۔ اس لیے اب ہم اُسے اُسی جگہ پر چھوڑ کے عربون کی موسیقی کی طرف توجہ کرتے ہین۔

عربی موسیقی جاہلیت مین

عربون کے موسیقی کی تاریخ ظہور اسلام کے پچاس ساٹھ برس بعد سے شروع ہوئی ہے۔ جاہلیت عرب مین صدہا سال پیشتر جرادتان کے لقب سے دو گانے والی رنڈیان بتائی جاتی ہین جو قوم عاد کے زمانے مین مکّہ مین تھین۔ مگر آنحضرت کے ظہور کے وقت تک عرب مین ایسی عورتون کا پتہ چلتا ہی جن کا پیشہ گانا تھا اور مردون کی صحبتِ شراب مین گایا بجایا کرتی تھین۔ چنانچہ امیر حمزہ کی صحبتِ عیش مین ایک ایسی ہی عورت کے گانے کا واقعہ مستند روایات سے ثابت ہے۔ اسی قدر نہین بلکہ ثابت ہوتا ہے کہ اُن مین راگ کا فن تھا۔ اور تین قسم کے راگ گائے جاتے تھے۔ (۱) نصب۔ جو پُرجوش نوجوانون اور دشت نورد قافلون کا پُراثر ادر

سیدھا سادھا گاناتھا۔(۲) سناد۔یہ دشوار اور پیچیدہ راگ تھا جس مین گلے بازی کی زیادہ مشق ہوتی۔اور تانون اور مینڈون وغیرہ کی اُس مین کثرت تھی۔اور اُس کی بہت سی دُھنین تھین۔(۳) ہزج۔اس راگ کو صرف لوگون مین جوش پیدا کرنے سے تعلق تھا۔اس مین دل پر اثر کرنے والے سُرون سے کام لیا جاتا۔اس بات کی خاص کوشش کی جاتی کہ دلون کو برانگیختہ کیا جائے۔اور بے حسون کو جوش دلا کے اُبھارا جائے۔عرب کے تمام بڑے بڑے شہرون مین اِن راگون کا رواج تھا۔خصوصًا اُن مقامات مین جہان مشہور میلے ہوا کرتے۔ چنانچہ شہرہاے مدینہ۔طائف۔خیبر۔فدک۔وادی القری۔دومۃ الجندل اور یمامہ۔اِس موسیقی کے لیے مشہور تھے۔جہان شعراے عرب مجمعون مین گا گا کے اپنے اشعار سُنایا کرتے۔اور مُغنّی اور مغنیہ عورتین محفلون مین گاتین بجاتین۔

عہد اسلام کی موسیقی۔

ظہور اسلام کے وقت عورتون کا دف بجا بجا کے گانا کثرت سے ثابت ہے۔اور صحابہ کے زمانے ہی مین نامی گویّے پیدا ہونے لگے تھے۔ چنانچہ سب سے پہلا مغنّیِ اسلام بنی مخزوم کا ایک غلام طویس تھا جس کی شہرت خلیفۂ ثالث حضرت عثمان کے زمانے مین خوب ہوگئی تھی۔اُسے ابتداے عمر ہی سے گانے کا شوق تھا۔اور ہزج اور رمل کے راگون مین اُستاد بے بدل مانا جاتا تھا۔وہ اپنے آپ کو نہایت منحوس بتایا کرتا۔اور کہتا "جس دن مین پیدا ہوا اُسی روز رسول خدا صلعم نے سفر آخرت کیا جس دن میرا دودھ چھڑایا گیا اُس دن خلیفۂ اول حضرت صدیق اکبر رضی کی وفات ہوئی۔جس دن مین بلوغ کو پہونچا ہون خلیفۂ ثانی حضرت فاروق اعظم رضی

شہید ہوئے۔ اور جس دن میری شادی ہوئی اُس دن خلیفۂ ثالث
حضرت عثمان ذی النورین کو لوگون نے شہید کیا۔ اُسی عہد مین سعدؓ
ابن ابی وقاص کا ایک غلام قند بھی خوب گاتا تھا۔ اُنھین دنون مین نشیط
اور ابن صیاد بھی تھے جن کا گانا معویہؓ اور عبداللہ بن جعفر طیار نے سُنا۔
طویس کے شاگردون مین سے معبد دلال اور نومۃ الضحیٰ مشہور
ہوئے جن کے موسیقی کی مدینۂ طیبہ مین اور بنی اُمیہ کے دربار مین
بڑی قدر تھی۔ یہان تک کہ ابن طنبورہ نام ایک مغنی یمن سے آکے چمکا
جو ہزج کے راگون کا اُستاد مانا جاتا تھا۔

مگر عربی تمدن کے بڑھنے کے ساتھ ہی اِس خودرَو فن مین بھی
اصلاح و ترقی کی ضرورت پیدا ہوئی۔ اور اس کا آغاز یون ہوا کہ ۶۵ھ
ہجری مین عبداللہؓ ابن زبیر کو کعبہ کی تعمیر کی ضرورت پیش آئی جس کے
لیے اُنھون نے شام و ایران سے رومی اور عجمی معمار بُلوائے۔ عجمی معمارون کا
قاعدہ تھا کہ عمارت بناتے وقت اپنے عجمی گیت گایا کرتے۔ اُن کا نغمہ
قبیلۂ بنی جُمح کے ایک خوش گلو حبشی غلام سعید ابن مسجح کو بھلا معلوم ہوا۔
اُسے گانے کا شوق تھا۔ وہان کے مذاق کے موافق فن موسیقی کو جانتا تھا
اور اکثر گایا کرتا۔ اُس نے غور و توجہ سے اُن عجمی معمارون کا گانا سُنا۔
اُن کی دُھنین اپنے گلے مین اُتارین۔ اور پھر جب عربی چیزون کو اُن
دُھنون مین گایا تو ہر طرف واہ واہ ہونے لگی۔ اور ابن مسجح کو خیال
ہوا کہ غیر زبانون کی موسیقی سے مین اپنے نغمے کو ترقی دے سکتا ہون۔
اُس کا یہ شوق دیکھ کے مالک نے آزاد کر دیا۔

لوگون کی قدردانی نے اُس مین طالب علمانہ ذوق پیدا کر دیا تھا

سفر کر کے ارض شام مین گیا۔ جہان رومی و یونانی علوم پھیلے ہوئے تھے۔ اُن زبانوں کے مغنیون سے ملا۔ اُن کے موسیقی کے اصول و قواعد سیکھے۔ چنگ و ربط بجانا سیکھا۔ اور ایران کی راہ لی۔ وہان بھی ایرانی گویون کا شاگرد ہوا۔ اُن کے نغمون کی دُھنین سیکھین اور باربد و نکیسا۔ اور شیرین و شکر کی دُھنین اپنے گلے سے ادا کین۔ یون ترقی کر کے اور اصناف موسیقی مین درخور سیدا کر کے وطن مین واپس آیا تو عجیب چیز تھا۔ اور جہان جاتا اُس کے شوق مین آنکھین بچھائی جاتین۔ اور اُس کی قدر دانی مین لوگون کا انہماک اس درجہ بڑھا کہ خلیفہ عبدالملک بن مروان کو رپورٹ ہوئی کہ ابن مسجح تمام نوجوانان مدینہ کو غارت کیے ڈالتا ہے۔ اِس پر اُس کی جائداد کی ضبطی کے ساتھ جواب دہی کے لیے دمشق مین حاضر ہونے کا حکم ہوا۔ لیکن جب وہ دمشق مین پہونچا تو وہان کی سوسائٹی اور خود عبدالملک بھی اُس کے نغمہ کے والہ و شیدا ہو گئے۔ اور معافی کے ساتھ انعام و اکرام لے کے گھر واپس آیا۔

ابن مسجح کے بہت سے شاگردون مین سب سے زیادہ نامور سریج اور غریض تھے۔ اور آخر مین معبد بھی اُس کا شاگرد ہو گیا۔ یہ سب اپنے عہد مین سب سے بڑے اُستاد اور عدیم المثال مغنی مانے جاتے جن مین معبد کا نام بہت چمکا۔ پھر اُسی قریب زمانے

؎ باربد و نکیسا ساسانی تاجدار خسرو پرویز کے مغنی تھے۔ اور شیرین و شکر اُسی عہد مین ایران کی نامور مغنیہ تھین۔

مین رقیق - اور ابن عائشہ کے نغمے کی شہرت ہوئی - اور اُن کی اس درجہ قدر کی جاتی تھی کہ بڑے بڑے ائمۂ دین اور علما و فقہا تک نے اُن کا نغمہ سُنا - اور یہ مطلق نہین ثابت ہوتا کہ اس وقت کی سوسائٹی مین مغنیون کا درجہ ایسا گرا ہوا تھا جیسا کہ فی الحال ہمارے یہان ہے - بنی اُمیہ اور ابتدائی خلفاے بنی عباس کا دور اسی قسم کے صدہا مغنیون کو پیش کر رہا ہے جو اپنے فنون مین صاحب کمال تھے - جن مین حکم الوادی اور ابو کامل عزیز کے ایسے مغنی تھے - بنی عباس کے زمانے مین اِس فن کو اور زیادہ ترقی ہوئی - اور مغنیون کا درجہ بھی سوسائٹی مین بہت بڑھ گیا -

رشید کے زمانے کے مغنی

ہارون رشید کے عہد مین شام و عراق اور عرب کے تمام مشہور شہر نامی مغنیون سے بھرے ہوے تھے - خود اُس کے دربار کے منتخب مغنی ابن جامع - اور ابراہیم موصلی اور ابن محرز تھے - اور تینون بڑے صاحب کمال مغنی تھے - ابراہیم وسعت معلومات فن مین بےنظیر تھا - اور ایجاد و اختراع کا بادشاہ مانا جاتا - ابن جامع کا گانا اس بلا کا تھا کہ ساری محفل کو اپنا والہ و شیدا بنا لیتا - ہارون رشید نے ایک بڈھے استاد مغنی سے پوچھا "ابن جامع کے بارے مین کیا کہتے ہو؟" کہا "شہد کا پوچھنا ہی کیا؟ جب چکھیے مُنہ میٹھا ہو جائے گا" پوچھا "اور ابرہیم کی نسبت تمھارا کیا خیال ہے؟" جواب دیا "وہ ایک چمن ہے جس مین ہر رنگ کے پھول ہین اور ہر طرح کی خوشبوئین مہک رہی ہین" رشید نے کہا "تو اب ابن محرز کے بارے مین بھی اپنی راے بتا دو" عرض کیا "اُس کی شان یہ ہے کہ جو شخص جو مزا چاہتا ہو وہی اُس مین

سے نے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے وہ انسان کے دل مین سے نکل کے آیا ہے۔ اور دریافت کرلایا ہے کہ اُسے کیا چیز بھلی معلوم ہوتی ہے۔ اس عہد مین سب سے بڑا بربط نواز زلزل تھا جو اُستاد گویّون کے ساتھ بجاتا۔ اور سب اُس کے کمال کے معترف تھے۔

اِس موسیقی کو خالص عربی موسیقی نہین کہہ سکتے۔ بلکہ یہ وہ فن تھا جسے خلفا کے دربار نے اپنے قومی نغمے مین رومی و یونانی اور ایرانی موسیقی کو ملا کے ایک نیا معجون مرکب بنادیا تھا اور کیا عجب کہ ہندوستان کے موسیقی کا کچھ نہ کچھ اثر بھی اُس پر پڑا ہو۔ اسلیے کہ ہندوستان کے مختلف فنون کے ماہر برابر وہان جاکے رہتے اور بغداد کی صحبتون مین ملتے جلتے تھے۔ یہ فن موسیقی اُس وقت کی سوسائٹی مین اِس قدر مقبول ہوا کہ اُن تمام ملکون مین جو خلافت کے زیر نگین تھے پُرانی موسیقی منسوخ ہو کے فنا ہوگئی۔ اور سندھ سے اسپین تک ہر شہر و قریہ مین یہی نغمہ گونج رہا تھا۔ اور بچے بچے کی زبان پر یہی دُھنین جاری تھین۔

مغنّیون کی عزت

سوشیل حیثیت سے اُس کی اِس قدر عزت تھی کہ دربار خلافت کے اکثر معزز ارکان اعلیٰ درجے کے موسیقی دان اور مغنّی تھے۔ صرف پیشہ ور گوّیے نہین بلکہ بڑے بڑے اُمراے قریشی و ہاشمی شرفا اور خاص خاندان خلافت کے اکثر شاہزادے اور شاہزادیان تک باکمال موسیقی دان مانے جاتے تھے۔ اور انھین عیب نہ لگایا جاتا تھا۔ خود رشید کی بہن عُلَیّہ اور اُس کا بیٹا ابراہیم گانے کے مسلّم اُستاد مانے جاتے۔ اِس کے ساتھ عُلَیّہ کی پاکدامنی

موجودہ فارسی موسیقی

وہ نیدار ی کی بھی بیحد تعریف کی جاتی تھی۔ اور ابراہیم کو تو سارے بنی عباس نے مل کے چندروز کے لیے اپنا خلیفہ بنا لیا تھا۔

اس ذوق و شوق اور عام رجحان نے سیکڑون ہزارون دُھنین پیدا کر دین جو کسی نہ کسی مشہور مغنّی کی طرف منسوب تھین۔ اب مخارق اور علویہ کے پایے کے مغنّی پیدا ہوے جو اصناف موسیقی پر پوری طرح حاوی تھے۔ اِن دونون نے صدہا نئی دُھنین ایجاد کرنے کے علاوہ فارسی زبان کے گیتون مین بھی وہی دُھنین قائم کرنا شروع کر دین۔ فارسی کی پُرانی موسیقی مٹ کے عربی موسیقی مین کھپ گئی تھی۔ اِن دونون مغنّیون نے موجودہ فارسی نغمہ کو زندہ کیا۔ اور اُنھین کی کوشش اور جدت طرازی سے عربی موسیقی فارسی مین منتقل ہوئی جو عربی کے دوش بدوش ترقی کرنے لگی۔

متوکّل کے زمانے مین (۲۳۲ھ سے ۲۴۷ھ تک) عربی موسیقی کو بہت ہی نشو و نما ہوا۔ اُس عہد کے نامور مغنّی ذنین۔ ذمیں اور مشّد دفن نغمہ کے اُستادان کامل مانے جاتے۔ اس کے بعد معتضد باللہ نے جس کا عہد ۲۷۹ھ سے ۲۸۹ھ تک تھا خود فن موسیقی مین کمال حاصل کیا۔ اور بڑے بڑے صاحب کمال گوّیے اپنے دربار مین جمع کر لیے۔ پھر اُس سے بھی زیادہ ترقی عبداللہ بن معتز نے دی جو ایک یادگار زمانہ شاعر بھی تھا۔

اب عربی موسیقی کو بیحد وسعت ہو گئی تھی۔ ہزارون دُھنین قائم ہو گئین تھین۔ جن مین اختلاف پڑنے لگا۔ اور شبہات پیدا ہوئے کہ کون دُھن کس کی ایجاد ہے اور لوگون مین باہم اختلاف پڑا

جس کی زیادہ تر وجہ یہ تھی کہ فن موسیقی پہ عربون نے بیسیون کتابین لکھ ڈالین - آخرالامر چوتھی صدی ہجری کے آغاز مین علامۂ ابوالفرج اصفہانی نے اپنی مشہور کتاب آغانی تصنیف کی جو اتنی بڑی ضخیم کتاب ہے کہ اکیس جلدون مین ختم ہوئی ہے - اس کتاب کا اصلی مقصد یہ ہے کہ بنی عباس کے زمانے مین جو سوُدھنین منتخب اور مقبول عام تھین وہ بتادی جائین کہ کون ہین - کیسی ہین - کس کی ایجاد ہین - اور اُن کے بول کیا ہین - اس مین مصنف پہلے وہ شعر لکھتا ہے جس مین دُھن قائم کی گئی ہے - پھر اُس دھن کا حُلیہ ایسے الفاظ اور اشارون مین بتاتا ہے جن کو اب کوئی نہین سمجھ سکتا - اس مین اُس مقبول راگ کا نام بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ کس انگلی سے کس وضع سے اور کس طرح بربط کے کس تار سے کیونکر کام لے کے ادا کیا جائے - اس کے بعد شعر کے مصنف اور دھن قائم کرنے والے مغنی دونون کی پورے پورے حالات زندگی بتادیتا ہے - فی الحال یہ کتاب عربی علم ادب کی اعلی درجے کی کتاب تسلیم کی جاتی ہے - اور اُس سے صرف تاریخی فائدہ اُٹھایا جاتا ہے - یورپ مین اس کی بڑی قدر ہوئی - نہایت اہتمام سے چھاپی گئی ہے - اور فرانس مین خدا جانے کتنی مدت کی محنت کے بعد اب اُس کا اِنڈکس تیار کیا گیا ہے -

کتاب اغانی

لیکن آغانی سے اب اور جس قسم کا فائدہ چاہے اُٹھا لیا جائے - موسیقی مین کافی مدد نہین لی جا سکتی - اس لیے کہ اُسکی اصطلاحین سمجھنے والے نابید ہین - فونوگراف اُن دنون تھا نہین

کہ گلون کے سُر اپنی اصلی وضع مین محفوظ رکھے جا سکتے۔ جن گلون سے وہ سُر
ادا ہوتے تھے فنا ہو گئے۔ اصطلاحی الفاظ رہ گئے جو نہ صحیح سُر کی تصویر
دکھا سکتے ہین نہ لے کی۔ اگرچہ اُس مین فن موسیقی کے اصول و قواعد
نہین بتائے گئے ہین جس کام کو دوسرے مصنّفون نے ادا کیا۔ مگر
ضرورت ہے کہ اغانی کی دھنون کے زندہ کرنے مین بھی ویسی ہی کوشش
کی جائے جیسی کہ رتناکر کے زندہ کرنے کے لیے تجویز کی جاتی ہے۔ لیکن یہ کام
رتناکر کے زندہ کرنے سے بھی زیادہ دشوار ہے اگرچہ غیر ممکن نہین۔
تاہم خوب یاد رکھنا چاہیے کہ ہندوستان کی موجودہ موسیقی کی تکمیل
بغیر ان دونون کامون کے انجام دیے نہین ہو سکتی۔

اُن دنون مسلمانون مین فن موسیقی کا اس قدر رواج تھا کہ
گو علمائے دین محدثین و فقہا کو اُس کی طرف توجہ نہ تھی مگر جو علما
دینیات کے دائرے سے باہر قدم نکالتے موسیقی کی تعلیم کو بھی
ضروری خیال کرتے۔ جس کا اندازہ اِس سے ہو سکتا ہے کہ مسلمانون
کا سب سے بڑا حکیم اور فلسفی ابو نصر فارابی جو "معلم ثانی" کے اعلے لقب
سے ملقب ہے۔ ارسطو کے بعد اُس کا دوسرا درجہ بتایا جاتا ہے۔ اور
مصنف اغانی کا ہم عصر تھا وہ حکیم و فلسفی ہونے کے ساتھ ساتھ بہت
ہی اعلی درجہ کا صاحبِ کمال مغنی بھی مانا جاتا ہے۔ موسیقی مین اُس کے
کمال کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے:۔

ابو نصر فارابی

وہ ترک سپاہیون کی وضع مین رہتا تھا۔ دمشق مین پہونچا تو سیدھا
وہان کے فرمان روا سیف الدولہ بن حمدان کے دربار مین پہونچا۔
اور بادشاہ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اِس وقت دربار مین بڑے بڑے

علما جمع تھے۔ سیف الدولہ نے اُسکی طرف دیکھ کے کہا "بیٹھ جائیے"
کہا "کہان بیٹھون؟ اپنے رُتبے کے مقام پر یا دربار کی مناسبت سے؟"
جواب ملا "اپنے رُتبے کے مقام پر بیٹھو" یہ سُنتے ہی ابونصر مسند شاہی
پر جا کے بیٹھ گیا۔ اور اِس طرح پھیل کے بیٹھا کہ خود بادشاہ کے لیے بھی
جگہ نہ رہی" یہ حرکت سیف الدولہ کو سخت ناگوار ہوئی ایک خاص
زبان مین غلامون سے کہا "مین اِس شخص سے چند سوالات کرونگا
جس سوال کے جواب مین اسے عاجز دیکھنا بے پوچھے قتل کر ڈالنا" ابونصر نے
اُسی زبان مین کہا "مگر حضور رائے قائم کرنے مین جلدی نہ کیا کرین"
بادشاہ نے گھبرا کے کہا "کیا تم یہ زبان جانتے ہو؟" کہا "اسی زبان
پر منحصر نہین مین ایسی ایسی ستر زبانین جانتا ہون" اب علماے دربار
سے مباحث شروع ہوئے۔ مگر جس نے کچھ پوچھا جواب سُن کے دنگ
ہو گیا۔ اور سب کو اقرار کر لینا پڑا کہ ہم اس سے پیش نہین پا سکتے۔

موسیقی مین اُس کا کمال

اِن واقعات سے سیف الدولہ کو اُس کی قدر ہوئی بےتکلفی
کی صحبت خاص مین لے گیا جہان مغنیّون نے آکے مجری شروع کیا۔ مگر
ابونصر کی نکتہ چینیون نے ہر مغنی کا ناطقہ بند کر دیا۔ بادشاہ نے پوچھا
"کیا آپ گانا بھی جانتے ہین؟" کہا "جی ہان جانتا ہون" یہ معلوم ہونے کے
بعد سب نے اصرار شروع کیا کہ "کچھ گا کے سنائیے" ابونصر نے جیب سے
چند لکڑیون کو نکال کے جوڑا۔ اور پھر اُن پر تار چڑھا کے کسے۔ یون
ایک جیبی بربط تیار کر کے سُر ملائے۔ اور اُس پر سُر چھیڑ کے جو گانا
شروع کیا تو سارا دربار عش عش کر گیا۔ اس موقع پر اُس نے صرف
تین راگ گائے۔ پہلے راگ مین تمام حاضرین کو جوش مسرت سے ہنسا تا رہا

دوسرے مین ساری محفل کو رلادیا- اور تیسرے مین سب پر ایسی غنودگی طاری ہوئی کہ بادشاہ اور کل حاضرین غافل سو گئے- اُنھین سوتا چھوڑکے ابو نصر چپکے سے چلا گیا- اور بیداری کے بعد سیف الدولہ نے جب تک اُسے بُلا کے اپنا رفیق نہ بنا لیا چین نہ آیا- ہمارے یہان قانون نام کا جو ساز موجود ہے اِسی ابو نصر فارابی کی ایجاد ہے-

ابن سینا

ابو نصر کی وفات کے بعد ابو علی ابن سینا پیدا ہوا جو مسلمانون کا دوسرا موسیقی دان حکیم و فلسفی ہے- اُس نے اپنی مشہور و معروف کتاب شفا مین فن موسیقی کو شرح و بسط کے ساتھ بتایا ہے- اگرچہ اُس کے گانے بجانے کا کوئی واقعہ ہم نے نہین سُنا ہے-

اس عربی و عجمی موسیقی کو برت کے دکھانے اور ادا کرنے والا تو مجھے ہندوستان بھر مین کوئی نہین نظر آتا- مگر اُس کی تقسیم اور اُس کے نغمات کی باقاعدہ فہرست مین پیش کیے دیتا ہون جس سے اِس بات کا اندازہ ہو جائے گا کہ وہ کس قدر وسیع فن ہے- اور کتنی کوششون کے بعد اِس درجے کو پہونچا ہو گا-

اس اسلامی موسیقی کے راگ راگنیان

اُن لوگون نے آسمان کے بارہ بُرجون کے لحاظ سے ۱۲ مقام یا اصلی راگ مقرر کیے ہین- (۱) رہاوی- (۲) حسینی- (۳) راست (۴) حجاز- (۵) بزرگ- (۶) کوچک- (۷) عراق- (۸) نوا- (۹) صفاہان- (۱۰) عشاق- (۱۱) زنگلہ (۱۲) بوسلیک- اِن مقامون کے نیچے اور اُوپر کے سُرون کے لحاظ سے اُنھون نے ہر ہر راگ کو دو دو شعبون پر تقسیم کیا ہے- اور یون ۱۲ راگون کے ۲۴ ہو گئے ہین جو رات دِن کے ۲۴ گھنٹون کے مطابق ہین- ہر شعبہ کا جدا نام ہے- اور

اُس کے ماتحت متعدد راگنیاں ہین۔

(۱) رہاوی کا پہلا شعبہ نوروز عرب ہے جس کی چھ راگنیاں ہین اور دوسرا شعبہ نوروز عجم ہے۔ اسکی بھی چھ راگنیاں ہین۔

(۲) حسینی کا پہلا شعبہ دوگاہ ہے جس کی ۲ راگنیاں ہین۔ اور دوسرا شعبہ محیر ہے جس کی ۸ راگنیاں ہین۔

(۳) راست کا پہلا شعبہ پنجگاہ ہے۔ جس کی ۵ راگنیاں ہین۔ اور دوسرا شعبہ برقع ہے جس کی راگنیون کا شمار مجھے نہین معلوم۔

(۴) حجاز کا پہلا شعبہ سہ گاہ ہے جس کی ۳ راگنیاں ہین۔ اور دوسرا شعبہ حصار ہے جس کی ۸ راگنیاں ہین۔

(۵) بزرگ کا پہلا شعبہ ہمایون ہے اور دوسرا نہفت۔ اس کی راگنیون کی بھی تفصیل نہین معلوم۔

(۶) کوچک کا پہلا شعبہ رکب ہے۔ جس کی ۶ راگنیاں ہین۔ اور دوسرا شعبہ بیات ہے۔ جس کی ۵ راگنیاں ہین۔

(۷) عراق کا پہلا شعبہ مخالف ہے جس کی ۵ راگنیاں ہین۔ اور دوسرا شعبہ مغلوب جس کی ۸ راگنیاں ہین۔

(۸) نوا کا پہلا شعبہ نوروز خارا ہے جس کی ۵ راگنیاں ہین۔ اور دوسرا شعبہ ماہور ہے۔ جس کی ۶ راگنیاں ہین۔

(۹) صفاہان کا پہلا شعبہ تبریز ہے جس کی ۵ راگنیاں ہین۔ اور دوسرا شعبہ نشاپور ہے۔ جس کی ۶ راگنیاں ہین۔

(۱۰) عشاق کا پہلا شعبہ زابل ہے۔ جس کی ۳ راگنیاں ہین۔ اور دوسرا شعبہ اوج ہے جس کی ۸ راگنیاں ہین۔

(۱۱) زنگلہ کا شعبہ چہار گاہ ہے جسکی ۴ راگنیان ہین اور دوسرا شعبہ غزال ہے جس کی ۵ راگنیان ہین۔

اس طریقہ سے اس عرب و عجم کی موسیقی مین (۱۲) راگ (۲۴) شعبہ اور (۱۲۲) راگنیون سے کچھ زیادہ ہو گئین۔

اِن سادے بسیط راگون کے علاوہ اُن لوگون نے مرکب نغمہ بھی ایسے بنائے ہین جو دو دو راگون سے مل کے خاص ترتیب سے بنتے ہین۔ بہ ظاہر ان راگون کی تعداد زیادہ ہونی چاہیے مگر اُنھون نے چھ ہی بتائے ہین۔ جن کو اپنی اصطلاح مین وہ آہنگ کہتے ہین۔ اور وہ حسب ذیل ہین۔ (۱) سلمک (۲) گردانیہ (۳) نوروز (۴) گوشت (۵) آرہ (۶) شہناز۔

اس کے علاوہ اُس موسیقی مین بعض اور خاص دُھنین بھی ہین جن کو وہ گوشہ کہتے ہین۔ اور سب کے جدا جدا نام ہین جو ایرانی و عربی مذاق کی ہم آہنگی اور اُن کے باہم ہمکنار ہونے کا ثبوت دیتے ہین۔ اِن گوشون کا شمار اُن کی جستجو و سعی سے ۴۸ تک پہونچا ہے۔

اُس کے نغمون کے اوقات

اِن راگون کے اوقات بھی مقرر ہین۔ رہاوی کا وقت پو پھٹنے کے وقت سے طلوع آفتاب تک۔ حسینی کا پہر دن چڑھے تک۔ عراق کا دوپہر تک۔ راست کا ٹھیک دوپہر کو۔ کوچک کا پہر دن رہے تک۔ بوسلیک کا عصر کے وقت۔ عشاق کا بالکل آخر روز مین۔ زنگلہ کا پہر رات گئے تک۔ بزرگ کا اُس کے بعد کچھ دیر تک۔ اور نوا کا آدھی رات کو ہے۔

لَے اور تال بھی اُس موسیقی مین کمال کے درجے تک پہونچے ہوئے تھے۔ اِس لیے کہ اُس مین ۱۷ تال ہین۔ جو مخمس۔ ترکِ ضرب

ڈوبک وغیرہ ناموں سے یاد کیے جاتے ہین۔

غرض یہ موسیقی تھا جس کو مسلمان اپنے ساتھ لے کے ہندوستان مین آئے۔ اُن کا آخر الذکر مصنف موسیقی آبو علی بن سینا محمود غزنوی کا معاصر تھا۔ اگرچہ یقیناً اُس سے بہت پہلے عربون کے ساتھ متعدد مغنی سندھ مین آئے ہون گے۔ مگر وادی گنگا تک مسلمانون کے پہونچنے کا آغاز محمود غزنوی کے عہد سے ہوا ہے۔ اور جو اسلامی معاشرت ہندوستان مین قائم ہوئی اُس کی بنیاد بھی اسی وقت سے پڑنا شروع ہوئی تھی۔ لہذا ہم اِس فن کے یہان آنے کی تاریخ اسی زمانے سے قائم کرتے ہین۔

محمود کے دربار مین جس طرح شعرا کی کثرت تھی مغنیون کی بھی ہوگی۔ مگر ہمین اِس وقت اس کے زمانے کے نہ کسی مغنی کا نام معلوم ہے اور نہ یہ کہہ سکتے ہین کہ اُسے موسیقی کا کس قدر شوق تھا۔ اُس کے بعد سلاطین غزنویہ نے بھی بہت کچھ عیش کیا۔ مگر اُن کی صحبت ہاے طرب مین اپنے اسلامی موسیقی کو زیادہ رسوخ حاصل ہوگا۔ کیونکہ اُس وقت تک مسلمان ہندوستان کے مذاقِ غنا سے بالکل ناآشنا تھے۔ گو اُس کے جاننے کی بیحد ضرورت تھی۔

صوفیون کی موسیقی

اس ضرورت کو زیادہ مشائخ صوفیہ نے آکے پورا کیا۔ جنھون نے ہندو مسلمان دونون گروہون مین اپنے آپ کو مقبول بنا کے گانے بجانے کو ایک حیثیت سے عبادت بنا دیا۔ اور قوالی سنتے ہوئے بغداد سے دہلی مین آپہونچے۔ چنانچہ قاضی حمید الدین ناگوری جو ایک زمانے مین بغداد کی صحبت ہاے سماع کے رکن اعظم تھے دہلی مین آئے

اور یہان آکے بھی وہی حال و قال کی محفل گرم کر دی۔ علما نے اِس پر اعتراض کیا۔ اور فرمان روا ے وقت سلطان شمس الدین التمش کے دربار مین شاکی ہوئے۔ سلطان نے قاضی صاحب کو علما کے سامنے اپنے دربار مین بُلوایا۔ کسی عالم نے سر دربار آپ سے سوال کیا کہ ”سماع کے بارے مین آپ کیا فرماتے ہین؟ جائز ہے یا ناجائز؟“ قاضی صاحب نے کہا ”اہل قال کے لیے حرام ہے اور اہل حال کے لیے حلال“۔ پھر سلطان شمس الدین التمش کی طرف متوجہ ہو کے کہا ”آپ کا یہ عروج اور یہ سلطنت و دولت اُس ایک شب کی خدمت محفل سماع کا صلہ و انعام ہے جب آپ رات بھر گلگیر ہاتھ مین لیے شمع کا گُل لیتے رہے تھے“۔ سلطان نے سونچا تو یاد آیا کہ واقعی بغداد مین اپنے غلامی کے زمانے مین وہ ایک صحبت سماع مین رات بھر ادب سے کھڑا شمع کی گلگیری کرتا رہا تھا۔ اور اُس صحبت مین یہ صاحب باطن قاضی صاحب بھی موجود تھے۔ اِس واقعہ کا التمش پر بڑا اثر پڑا۔ علما کو رخصت کر دیا۔ ایوان شاہی مین صحبت حال و قال مرتب کی گئی۔ اور خاص دربار مین حال آنے لگے۔

التمش کو شوق موسیقی

یہی زمانہ ہے جب سے مسلمان فرمان روایان ہند موسیقی کے مربی بنے۔ بڑے بڑے مغنّی دربارون مین جمع ہونے لگے۔ اور مشائخ چشت نے سماع و غنا کو اپنے پاکبازی کے مشاغل مین شریک کر لیا۔ اسی شوق کا اثر تھا کہ التمش کے بیٹے رکن الدین فیروز شاہ کو موسیقی کا بے انتہا شوق ہو گیا۔ اُس کے دربار مین مغنیون کی قدر بہت بڑھ گئی۔ اطراف و جوانب سے اور دُور دُور سے بڑے بڑے گویے

فیروز شاہ

اور اعلیٰ درجہ کی مغنیہ و رقاصہ عورتین اُس کی محفل مین آ کے جمع ہو گئین۔ اور بادشاہ کا انہاک د توغل اِس فن مین اس قدر بڑھا کہ ایک ہی سال کے اندر ۶۳۴ھ مطابق ۱۲۳۷ع مین اُس نے اپنی سلطنت اِس شوق پر قربان کر دی۔ یہ وہ زمانہ ہے جبکہ رتناکر کو تصنیف ہوئے چند گنتی کے برس ہوئے ہون گے۔ اب یہ بھی نہ تھا کہ دربار مین فقط عجمی مغنّی ہون یہین زیادہ تر ہندوستانی گویّے تھے۔ اس لیے کہ مرد ہی نہ تھے گانے والی عورتین بھی تھین۔ اور کثرت سے تھین جو ہندوستان کے سوا باہر کی نہین ہو سکتین۔ وہ سب یقیناً اُسی موسیقی مین دخل رکھتی ہون گی جو رتناکر مین مدوّن کی جا چکی تھی۔

معزالدین کیقباد

اِس کے پچاس برس بعد معزالدین کیقباد کے زمانے مین جو ۶۸۵ھ مین تخت پر بیٹھا تھا دربار دہلی مین اور اُس کی وجہ سے سارے ہندوستان مین موسیقی کا شوق اور بڑھ گیا۔ کیقباد کو گانے کا بڑا شوق تھا۔ اور گانے والے اور گانے والیان جن کی ہندوستان مین اُن دنون بڑی کثرت بتائی جاتی ہے سب طرف سے سمٹ کے دہلی مین جمع ہو گئی تھین۔ چنانچہ یہی شوق اُس کے لیے بھی زوال دولت کا باعث ہوا۔

جلال الدین خلجی کے دربار کے گویّے

اُس کے دو ہی برس بعد خلجیون کا زمانہ شروع ہوا۔ اور جلال الدین فیروز شاہ خلجی سریر آرائے سلطنت ہوا۔ وہ اگرچہ عیش پرست نہ تھا مگر موسیقی کا اُسے بھی شوق تھا۔ اور اُس کے دربار کے نامور مغنّی محمد شاہ چنگی۔ فتو حا۔ نصیر خان۔ اور بہروز بتائے جاتے

ہین۔ یہ لوگ اگرچہ مسلمان تھے مگر اُن کے نام تبارہے ہین کہ ہندوستان ہی کی سوسائٹی مین اُن کا نشو و نما ہوا تھا۔

علاء الدین خلجی

علاء الدین خلجی جو ۶۹۵ھ مین تخت نشین ہوا اگرچہ اپنے سارے عہد سلطنت مین فوج کشی مین مصروف رہا۔ اور کبھی اُسے اطمینان سے بیٹھنا نہین نصیب ہوا۔ مگر اُسے بھی موسیقی کا بے انتہا شوق تھا۔ اور بقول فرشتہ اُس کے دربار مین مُطربون غزلخوانون اور ارباب نشاط کی اِس قدر کثرت تھی کہ بیان نہین ہو سکتا۔

بیجانگر مین موسیقی کی ترقی

اب مسلمان شمالی ہند سے قدم بڑھا کے دکن مین پہونچے۔ اور تاریخ سے بوضاحت ثابت ہوتا ہے کہ دکن مین بمقابل شمالی ہند کے موسیقی کا رواج زیادہ تھا۔ وہان سب سے بڑا دربار بیجانگر کا تھا۔ جو کمالات موسیقی کا بہت بڑا مرکز معلوم ہوتا ہے۔ اُس زمانے مین گلبرگہ مین بہمنیون کی سلطنت قائم ہو چکی تھی اور ۸۰۱ھ مین راجہ بیجانگر سلطان فیروز شاہ بہمنی کے مقابلہ کو زبردست لشکر لے کے چلا اور دریائے کرشنا کے کنارے خیمہ زن ہو گیا۔ راجہ کا راج کنور (ولی عہد) بھی ہمراہ تھا۔ ایک رات کو اُمراے دربار بہمنی مین سے قاضی سراج چند رفقا کے ساتھ ہندو بھیس کر کے دریا پار ہوئے۔ وہان ایک مغنیہ رنڈی کے پاس گئے جو ہندو فوج کے ساتھ تھی۔ اُس پر بیحد عشق ظاہر کیا۔ اور وہ زیور پہن کے اور بناؤ سنگھار کر کے راج کنور کے دہان مجرے کو چلی تو قاضی صاحب نے بے انتہا بیتابی و بیقراری ظاہر کی۔ اور کہا بغیر تمھارے مجھے صبر نہین آسکتا۔ اُس نے عذر کیا۔ اور اپنی مجبوری ظاہر کی۔ تو اُنھون نے کہا مجھے بھی ساتھ لیتی چلو۔ وہ بولی وہان میرے ساتھ سوا سازندون کے

مسلمان علما مین کمال موسیقی

اور کوئی نہین جا سکتا۔ اُنھون نے کہا "تو یہی کام مجھ سے لو" اُس نے امتحان لیا تو اُنھین گانے بجانے مین ایسا باکمال پایا کہ بولی آپ کا سا سازندہ بھلا کسے نصیب ہو سکتا ہے؟ آپ شوق سے چلین۔ چنانچہ اُسکی سنگت مین قاضی صاحب ولی عہد کی صحبت نشاط مین پہونچے۔ اور عین مجرے کے اندر موقع پاتے ہی شاہزادے کو مار ڈالا۔ ساتھ ہی رفیقون نے غل مچا کے لشکر گاہ پر یورش کر دی۔ اور اُن کا شور سُن کے سارا بہمنی لشکر چڑھ آیا۔

اِس واقعہ سے بیجانگر مین رقص و سرود کی گرم بازاری کے ساتھ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اُس وقت مسلمان یہان کی موسیقی سے کس قدر مانوس و آگاہ ہو گئے تھے؟

پرتھال کا واقعہ

بیجانگر کے مرکز کمالِ موسیقی ہونے کا ثبوت پرتھال کے واقعہ سے بھی ملتا ہے۔ جو ۸۰۹ھ کا واقعہ ہے۔ بیجانگر کا ایک برہمن جو موسیقی مین کمال رکھتا تھا کاشی کے تیرتھ سے واپس آ کے دکن کے شہر مُدگل مین ٹھہرا جو دولت بہمنیہ کے زیر نگین تھا۔ یہان وہ ایک سُنار کے گھر مین اُترا۔ اُسی سُنار کی لڑکی پرتھال تھی جس نے خلاف رواج اِس برہمن سے پردہ کیا۔ برہمن نے پردے کا سبب پوچھا تو سُنار نے کہا اِس لڑکی کی عجیب حالت ہے۔ مسلمان عورتون کی طرح پردہ کرتی ہے۔ اور کہین شادی منظور نہین کرتی۔ برہمن نے دم دلاسا دے کے اپنے سامنے بُلایا۔ اُس کی صورت دیکھی۔ اور اُس کے حسن و جمال پر حیران رہ گیا۔ پھر اُس پر کچھ ایسا مہربان ہوا کہ وہین ٹھہر گیا۔ اُسنے موسیقی کی تعلیم دی۔ اور بیجانگر واپس جا کے راجہ سے اُس لڑکی کے حسن و جمال

کی تعریف کی - راجہ سنتے ہی عاشق ہو گیا - اور برہمن سے التجا کی کہ جس طرح بنے اُسے میری رانی بنا کے میرے محل مین داخل کر دو - برہمن نے وعدہ کیا - اور کچھ زیور لے کے خوش خوش مڑکل مین آیا - پرتھال کے ماں باپ کو راجہ کا پیام دے کے راضی کیا - اور قصد کیا کہ منگنی کے طریقے سے وہ زیور پرتھال کو پنھا دے - مگر لڑکی نے پہننے سے قطعاً انکار کیا - اور کہا "اس بارے مین آپ دخل نہ دین - راجہ کے رنواس مین داخل ہو کے مین گھر بار اور ماں باپ کو نہین تج سکتی - میری قسمت مین کچھ اور ہی ہے - جس کا انتظار کر رہی ہون - اور اُسے خواب مین دیکھ چکی ہون" برہمن مایوس ہو کے واپس گیا - مگر راجہ کے دل مین وہ شوق کی جو چنگاری ڈال چکا تھا وہ کیسے بجھتی؟ آمادہ ہو گیا کہ خود ہی جا کے پرتھال کو زبردستی پکڑ لائے -

اِن دِنون دریائے تُنگ بھدّرا بہمنی اور بیجانگری سلطنتون کی حد فاصل تھا - راجہ ایک معتدبہ لشکر لے کے دریا سے اُترا اور آندھی کی طرح لُوٹتا مارتا مڑکل کی طرف چلا کہ بہمنیون کو خبر ہونے سے پہلے ہی مڑکل پر حملہ کر کے اپنی محبوبہ کو پکڑ لے جائے - مگر پرتھال راجہ کی قسمت مین نہ تھی - وہ جو لُوٹتا مارتا چلا تو اُس سے پہلے اُس کی خبر مڑکل مین پہونچ گئی - اور کل بستی والے اپنی جان لے کے بھاگے - جن مین وہ سُنار اور اُس کا خاندان بھی تھا جو اپنے ساتھ پرتھال کو بھی لے کے کہین غائب ہو گیا - راجہ نے پہونچ کے لاکھ سر مارا گوہر مراد ہاتھ نہ آیا - اور ناکام واپس گیا - اپنی سرحد کے قریب پہونچا تھا کہ بہمنی لشکر پہونچ گیا - اور اُسے اپنے دار السلطنت ہی مین بھاگ کے پناہ لینی پڑی -

جب بہمنی سلطان کو راجہ کے اِس حملہ کا اصلی سبب معلوم ہوا تو پرتھال کو گلبرگہ مین بُلوایا۔ اور اپنے بڑے بیٹے حسن خان کے ساتھ بڑی دھوم دھام سے اور شاہانہ اہتمام سے ۸۰۹ھ مین اُس کی شادی کر دی۔ اور یہی پرتھال کا خواب تھا۔

اس واقعہ کے چھتیس برس بعد ۸۴۵ھ مین مولانا کمال الدین عبدالرزاق تیمور لنگ کے بیٹے شاہ رُخ مرزا کے ایلچی بن کے بیجانگر کے دربار مین آئے تو بتاتے ہین کہ شہر مین گانے والی رنڈیون کی بے انتہا کثرت تھی۔ شہر کے ہر گھاٹ پر اُن کے محلے تھے۔ اور ایک محلہ شہر کے بیچ بیچ مین تھا۔ یہ رنڈیان راجہ اور دیگر امرا کی محفلون مین مجرا کیا کرتی تھین۔ اور راجہ کی خوش تدبیری اُن سے انتظامی امور مین فائدہ اُٹھاتی تھی۔

بیجانگر ہی نہین اُن بلاد دکن مین بھی جو مسلمانون کی قلمرو مین شامل ہو چکے تھے موسیقی کا بہت چرچا تھا۔ چنانچہ جس زمانے مین بیجانگر کی مذکورۂ بالا حالت دکھائی گئی ہے۔ اُس سے تقریباً ایک صدی پہلے سلطان محمد تغلق کے عہد مین (جو ۷۲۵ھ سے ۷۵۲ھ تک رہا) مغربی سیاح ابن بطوطہ اپنے سفرنامے مین دیوگڈھ کے اندر جس کا محمد تغلق نے دولت آباد نام رکھ دیا تھا ارباب نشاط کا ایک مخصوص بازار بتاتا ہے۔ وہ لکھتا ہے "اس شہر مین مغنیون اور مغنیہ عورتون کا ایک بازار ہے جو طرب آباد کہلاتا ہے اور تمام بازارون سے زیادہ بارونق ہے۔ اُس مین سڑک کے کنارے کنارے بہت سی دکانین چلی گئی ہین۔ ہر دُکان کے پیچھے مکان ہے جس کا دروازہ ایک گلی مین ہے۔

دولت آباد کا محلہ طرب آباد

اِس دُکان مین پُرتکلف فرش بچھا رہتا ہے اور اُس کے بیچوبیچ مین ایک بڑا سا ہنڈولا ہوتا ہے۔ اُس مین مغنّیہ عورت بناؤ سنگھار کر کے بیٹھتی یا لیٹ جاتی ہے اور اُس کی لونڈیان اُس ہنڈولے کو جھلاتی رہتی ہین۔ بازار کے بیچ مین ایک بڑا بھاری بُرج بنا ہے جس مین مغنّیون کا چودھری ہر جمعرات کو نماز عصر کے بعد آ کے بیٹھ جاتا ہے۔ اُس کے غلام اور خدام سامنے دست بستہ کھڑے رہتے ہین۔ اور گانے والیون اور مغنّیون کے طائفے یکے بعد دیگرے آ کے اُس کے سامنے مجرہ کرتے ہین۔ مغرب کے وقت تک رقص و سرود کی محفل گرم رہتی ہے۔ اور آفتاب کے غروب ہوتے ہی وہ اُٹھ کے چلا جاتا ہے۔ اِس بازار مین متعدد مسجدین ہین۔ جن مین ماہ مبارک رمضان مین تراویح ہوتی ہے۔ بعض ہندو راجہ جب اُدھر سے گزرتے ہین تو اِس بازار کے بُرج مین اُترتے۔ اور مغنّیہ عورتون کا گانا سنتے ہین۔ بعض مسلمان بادشاہون نے بھی اِس بازار اور اِس بُرج مین بیٹھ کے رقص و سرود سے لطف اُٹھایا ہے۔‘‘

محمد تغلق کا داروغۂ ارباب نشاط

ابن بطوطہ ہی نے یہ بھی بتایا ہے کہ محمد تغلق کے دربار کا سب سے بڑا گویا اور اُس کا داروغۂ ارباب نشاط امیر شمس الدین تبریزی تھا اور کل ارباب نشاط عام اِس سے کہ مرد ہون یا عورتین سب اُس کے ماتحت اور تابع فرمان تھے۔ جن مین زیادہ تر ہندوستان ہی کے مغنّی اور مغنّیہ عورتین ہون گی۔

اِن واقعات کے نتائج

اِن واقعات سے اوّل تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دولت آباد کا وہ بازار دراصل ہندوون کے زمانے سے قائم تھا۔ جس سے راجہ لطف

اُٹھایا کرتے تھے۔ دوسرے یہ کہ مسلمانون کے آنے کے بعد اُس مین
مسلمان گویّے بھی پیدا ہو گئے اور اُن کی اس قدر کثرت ہو گئی
کہ اُن کے لیے کئی مسجدون کے تعمیر ہونے کی ضرورت پیش آئی۔
تیسرے یہ کہ وہان کے موسیقی سے مسلمان اِس قدر مانوس
اور واقف ہو گئے تھے کہ مسلمان بادشاہون تک کو اُس مین
جا کے گانا سننے کا شوق ہوا۔ چوتھے یہ کہ دربار کا سب سے بڑا
مغنّی ایک ایرانی الاصل مسلمان تھا۔ اور کل ارباب نشاط اُس کے
مطیع و منقاد تھے۔ پانچوین یہ کہ مغنّیون کا سردار اور داروغۂ ارباب
نشاط اتنی عزت رکھتا تھا کہ "امیر" کے لفظ سے یاد کیا جاتا تھا۔

یہ سب باتین تصدیق کر رہی ہین کہ دکن مین موسیقی کا فن
زیادہ ترقی پر تھا۔ اور ہندوستان بھر مین یہان کی قدیم موسیقی
پر عجمی موسیقی کا اثر پڑ کے ایسے اسباب پیدا ہو گئے تھے جو بے نتیجہ
رہ ہی نہین سکتے تھے۔ یہ غیر ممکن ہے کہ جس طرح مخارق اور علویہ
نے عربی کی دُھنین فارسی کے گیتون مین منتقل کین اُسی طرح ہندوستان
کے مسلمان بادشاہون کے مغنّیون نے اپنے ملک اور وطن کی دُھنین
ہندوستان کے گیتون مین نہ پیدا کی ہون۔ یہی اُستاد تھے جنھون نے
مسلمانون اور ہندوؤن کے فن موسیقی کو ملا جُلا کے ایک نئی موسیقی
پیدا کر دی۔ جس کے دونون گروہ والۂ و شیدا تھے۔ اور اسی میل
جول کی برکت تھی کہ عجمی موسیقی کے عام پسند راگون مین سے نوروز
زنگولہ اور حجاز۔ ہندی موسیقی مین شامل ہو کے نوروچکا۔ خنگلا۔
اور [illegible] کے نامون سے مشہور ہوئے۔ اسی قدر نہین سمجھا جاتا ہے کہ

دونون موسیقیون سے مل کے نئی موسیقی ہندی بنی

زلیف۔ شاہانہ۔ درباری۔ اور ضلع (کھماچ) بھی ہمارے یہان اُسی موسیقی سے آئے ہین۔ ہمارے مکرم مصنف موسیقی تراجہ نواب علیخان صاحب یہ قیاس قائم کرتے مین کہ یہ علی لین دین کسریٰ کے زمانے مین ہوا بہت دُور نکل گئے۔ کسریٰ کے زمانے کی موسیقی آج دنیا مین موجود نہین اور نہ کوئی اُس کے کسی ایک راگ کا بھی نام جانتا ہے۔ یہ سب راگ اُس عربی موسیقی کے ہین جو مسلمانون کی پیدا کی ہوئی ہے۔ پارسیون کی عید کا لحاظ کرکے لفظ نوروزنہ کا وجود چاہیے کسریٰ کے زمانے مین بتا دیجیے۔ مگر حجاز تو خالص عربی ہے۔ اور جس راگ کا نام نوروزنہ ہے وہ خالص عباسی ہے نہ ساسانی۔

یہ نہ خیال کرنا چاہیے کہ اُس عربی موسیقی کا اثر ہندوستانی موسیقی پر اُتنا ہی پڑا جتنا کہ مذکورہ چند نغمون کے نامون سے ظاہر ہوتا ہے۔ میل جول کی جو شان رہی ہے اور صدیون تک جیسا عظیم الشان کون و فساد ہوتا رہا ہے اُس سے قطعی طور پر یہ رائے قائم کیجا سکتی ہے کہ ہمارے علم اور قیاس سے بدرجہا زیادہ اثر عرب و فارس کے اُس فن کا ہمارے موجودہ فن پر ہوا ہوگا۔

اس مین ہمارے خیال سے زیادہ عربی موسیقی کا اثر ہے۔

اور اس کانفرنس کے اہم ترین مقاصد مین یہ بھی ہونا چاہیے کہ اِن تمام اثرون کا پتہ لگائے۔ ایران کے باکمال مغنیون کو تلاش کرکے اُن کی تمام دھنین یہان کے مبصر مغنیون کو سُنائی جائین۔ اور دیکھا جائے کہ وہان کے کس راگ کے سُر یہان کے کس راگ سے ملتے ہین۔ اور جن راگون کی نسبت ہمارا خیال ہے کہ اُس عربی موسیقی سے ہماری موسیقی مین آگئے ہین وہ اپنے قدیم اصلی نغمہ کے مطابق

اس کانفرنس کے کیا مقاصد ہونے چاہیے۔

ہین یا ہندوستان کے گلون مین آکے بدل گئے ہین ؟ اور بدلے ہین، تو کہان تک ؟

قوال

فی الحال سمجھا جاتا ہے کہ قوال وہی مغنی ہین جو مسلمانون کے ساتھ ہندوستان مین آئے۔ مگر ہم جہان تک غور کرتے ہین سوا اس کے کہ قوالون کے گانے کی وضع تھوڑی بدلی ہوئی ہے باقی اُن مین وہی راگ راگنیان اور دُھنین مروج ہین جو ہندوستان کی موسیقی کی ہین۔ وہ اپنا کوئی جداگانہ فن نہین رکھتے۔ پتہ لگانا چاہیے کہ اُس عربی موسیقی اور قوالی مین اب کیا امتیاز ہے ؟ اگر قومیت اور مذہب کے اعتبار سے دیکھا جاے تو قوالون کے علاوہ یہان کی موسیقی کے تمام مستند اُستاد اور کل زبردست گویے بھی مسلمان ہین۔ موجودہ فن جس حالت مین

موجودہ موسیقی کے مربیان سلف

ہی اُس کے نشو و نما کا آغاز امیر خسرو کے زمانے سے ہوا جن کے ایجاد کیے ہوے راگ آج تک مروج ہین۔ ترانہ بھی اُنھین سے شروع ہوا۔ ستار اُنھین نے ایجاد کیا۔ اور قوالی کی موجودہ شان تو خاص اُنھین کی قائم کی ہوئی بتائی جاتی ہے۔ اس کے بعد گوالیار کے راجہ مان سنگھ وار گجرات کے عمر سلطان بہادر۔ جونپور کے سلطان حسین شرقی موسیقی کے خاص مربی رہے۔ اور آخر مین شہنشاہ اکبر محمد شاہ رنگیلے۔ اور لکھنؤ کے آصف الدولہ اور واجد علی شاہ کے زمانون مین اس کو نمایان ترقی ہوئی۔ موجودہ فن کی عملی طور پر جو شان نظر آرہی ہے اُس مین مذکورہ عربی موسیقی کی اکثر یادگارین موجود ہین۔

مسلمانون نے اس کو اپنا فن کر لیا

گذشتہ صدیون مین ہندوستان کی موسیقی کو مسلمانون نے اِس کثرت سے اور ایسے شوق سے اختیار کیا کہ ہندو گویے شاذ و نادر ہی

باقی رہ گئے۔ فی الحال بڑے بڑے درباروں کے تمام مغنّی مسلمان ہی ہین اور کہا جاسکتا ہو کہ فی الحال یہ فن ہندؤن کا نہین بلکہ مسلمانون کا ہی۔

کہا جاتا ہے اور سچ کہا جاتا ہے کہ محمد شاہ کے زمانے سے موسیقی مین تنزّل شروع ہوا۔ جبکہ میان سارنگ نے خیال ایجاد کیا۔ اور اُسکے بعد لکھنؤ کی بدمذاقی نے ٹپّہ اور ٹھمری کو رواج دے کے ملک مین ایک مبتذل اور بازاری مذاق پیدا کردیا۔ جس نے ہوری دُھرپد کے متین و شائستہ علمی مذاق کو مٹادیا۔ لیکن اُس سے زیادہ موجودہ پارسی تھیئٹر موسیقی کو تباہ کررہے ہین۔ جن کی طرف ملک کی گرویدگی اس قدر بڑھتی جاتی ہے کہ اگر اُن کی بیہودہ میوزک خاص طور پر توجہ کرکے نہ سنبھالی گئی تو ہماری موسیقی کو ایسا سخت نقصان پہونچ جائے گا جس کا پھر کوئی علاج نہ ہوسکے گا۔

پارسی تھیئٹر کی مضرت

فی الحال اپنی موسیقی کی ترقی کے لیے ہمین جن تدابیر کو اختیار کرنا چاہییے وہ میرے خیال مین حسب ذیل ہونی چاہییے ہین۔

تدابیر ترقی فن

(۱) تمام مستند گوّیون اور سنسکرت دان پنڈتون سے مدد لے کے اس کا پتہ لگایا جائے کہ رتناکر اور اُس کے قریب العہد مصنفون کی موسیقی کیا اور کس شان کی تھی۔ فی الحال جو تقسیم راگون راگنیون اور بھارجون وغیرہ کی بتائی جاتی ہے یہ کب سے شروع ہوئی؟ اور یہ قدیم موسیقی کے موافق ہے یا نہین؟

(۲) عرب وعجم کی مذکورۂ بالا موسیقی پر غور کرکے اور اُس کی تاریخ کے ماہرون سے دریافت کرکے معلوم کیا جائے کہ موجودہ موسیقی پر مسلمانون کی موسیقی کا کس قدر اثر ہی۔ اُس کے اصول اور اُس کے راگ ہمارے

اصول اور راگون سے کہان تک ملتے جُلتے ہین - اور آیا وہ موسیقی اس قابل ہی کہ اُس کی مدد سے ہماری موسیقی کی ترقی مین مدد لی جاے؟ یا دونون اصولاً اِس قدر جُدا ہین کہ اُس کی شرکت مضر ہے - اور اگر ایسا ثابت ہو تو اِس وقت تک جو کچھ اثر اُس موسیقی کا پڑ چکا ہی اُس کو بھی دور کر دیا جائے -

(۳) اِس چھان بنان کے بعد مشخص کر لیا جائے کہ ہمارے فن موسیقی مین کتنے راگ - کتنی راگنیان - اور کتنی دُھنین ہین - اُن مین کون کون سُر کس شان سے لگتے ہین - اور عملی طور پر اُن کی مسلمہ شان وصورت کیا ہے؟"

(۴) یورپ کے مغربی اثر سے جو ہماری معاشرت کے ساتھ ہمارے تمام فنون کو بھی گندہ کر رہا ہے - ہندوستان کی موسیقی کو بچایا جائے - جن حضرات کا یہ خیال ہو کہ یورپ کے میوزک سے ہندوستانی موسیقی کو کسی قسم کا فائدہ پہونچے گا وہ سخت غلطی مین مبتلا ہین - اُدھر رخ کرنا اپنے قومی راگون کو سُدھارنا نہین بلکہ غارت کرنا ہو گا - اس لیے بڑے اہتمام سے کوشش کی جاے کہ ہماری موسیقی اپنی اصلی حالت پر برقرار رہے -

(۵) جس قدر جلد ممکن ہو موسیقی کو تحریر مین لانے کے لیے نوٹیشن کا طریقہ اختیار کیا جاے - جو ہمارا نہایت ہی ضروری اور سب سے زیادہ اہم فرض ہے -

اِن تمام تدبیرون کے اختیار کرنے کے لیے غالبًا مندرجۂ ذیل کارروائیان مناسب ہون گی -

ان تدبیرون کے عمل مین لانے کی صورتین

(اول) صاحب راے موسیقی دانون اور مستند و مسلّم الثبوت گویّون کی ایک کمیٹی قائم کر دی جائے جو پہلی تین تدبیرون کو اختیار کر کے مفید و قابل وثوق نتائج پیدا کرے۔ اُس مین ایسے ارکان رکھے جائین جو سنسکرت کی موسیقی مین پورا دَرخور رکھتے ہون۔ اور تمدنی ڈِویلپمنٹ کی تاریخ سے آگاہ ہون۔ دو چار رُکن اُس کمیٹی کے ایسے بھی ہون جو ایرانی و عربی موسیقی کو جانتے ہون۔ اور بتا سکین کہ ہماری اور اُن کی موسیقی مین کیا فرق ہے۔ اور ہندوستان کی موسیقی مین اُن کی کون کون سی دُھنین آگئی ہین۔ اور اُن کا کون نغمہ ہمارے کس نغمہ سے ملتا ہوا ہے۔

(دوم) تھیئٹریکل کمپنیون کے طریقہ سے ایک اعلیٰ درجہ کا کانسرٹ قائم کیا جاے اور اُس مین خواہ کسی ڈراما کی وضع مین خواہ یونہین ہماری موسیقی کے تمام راگ اور راگنیان اپنی اصلی روایات کے مطابق رنگ وضع لباس اور حالت مین دکھائی جایا کرین۔ اور اُن ایکٹرون اور ایکٹرسون کی زبان سے اُن کا نغمہ صحیح حدون اور سُرون سے ادا کرایا جائے۔ ایسے ایک کانسرٹ کی ہندوستان کو بیحد ضرورت ہے۔ اور اگر اِس اصول پر کوئی کمپنی اچھے سرمایے سے قائم کی گئی تو مجھے یقین ہے کہ اُسے بہت زیادہ کامیابی ہوگی۔ یہ کانسرٹ دورہ کر کے سارے ہندوستان کا مذاق موسیقی درست کر دے گا۔ اور چند ہی روز کے اندر ہماری موسیقی زندہ ہو جائے گی۔

(سوم) لائق اور قابل لوگون کی ایک مختص اور جداگانہ کمیٹی نوٹیشن یعنی خط موسیقی کے ایجاد کے لیے منتخب کی جائے۔ جو یورپ کے نوٹیشن اور ہندوستان مین جو خط موسیقی ایجاد کیا گیا ہے اُس پر غور کر کے آسانی

سے ایک مناسب خط نغمہ ایجاد کرلے گی۔

میرے نزدیک اِس مین زیادہ دشواری نہ ہوگی۔ مین نے اکتوبر سنہ ۱۹۱۳ع مین اپنے رسالۂ دلگداز مین "موسیقی" یہ ایک مضمون لکھا تھا۔ جس کا وہ حصہ جو تحریر موسیقی سے تعلق رکھتا ہے اُس کا اِس لکچر مین اعادہ کردینا شائد نامناسب نہ ہوگا۔ لہذا وہ حسب ذیل ہے:-

خط موسیقی کی تاریخ

"پوپ گری گوری کے مرنے کے بعد (جو سنہ ۶۰۴ع کا واقعہ ہی) اِس بات کی کوشش شروع ہوئی کہ موسیقی کی دُھنون کو کسی طرح سے قلمبند کیا جائے۔ مگر اُس زمانے مین جو خط موسیقی ایجاد کیا گیا اُس کا لکھنا چاہے آسان ہو مگر گاتے وقت اُس کا لحاظ رکھنا اور اُس پر عمل کرنا بہت ہی دشوار تھا۔ اس لیے کہ ہمارے یہان جس طرح بعض لوگون نے سُرون کے نامون کے پہلے حرف یا ٹکڑے لکھ دیے ہین وہان بھی لکھ دیے جاتے تھے۔ مثلاً سرگم کی جگہ "س" یا "سر"۔ رکھب کی جگہ "ر" یا "رکھ"۔ گندھار کی جگہ "گ" یا "گن"۔ یہ تحریر کسی حد تک دُھنون کو محفوظ ضرور رکھ سکتی تھی مگر گانے والے گاتے وقت اُس سے مطلق فائدہ نہ اُٹھا سکتے تھے۔ اور آواز کے دیگر خصائص تو مطلقاً نہین معلوم ہوسکتے تھے۔

"دسوین صدی کے آخر مین اِس تحریر کو من جمیع الوجوہ ناقص دیکھ کے ایک نیا طریقہ ایجاد کیا گیا۔ اس مین سُرون کے شمار کے لحاظ سے سات متوازی خطوط قائم کیے جاتے۔ نغمہ کا خط اُن مین لہراتا ہوا چلتا اور گلا جس سُر پر پہونچتا اُسی سُر کی لکیر پر پہونچا دیا جاتا۔ اور اُسکے ساتھ گلے کے دیگر خصائص و حرکات نقطون اور آڑے ترچھے اشارون

سے بتا دیے جاتے۔

"اس خط نے موسیقی کی تحریر بہت آسان کر دی۔ لیکن سنہ ۱۰۲۲ء مین جب پوپ بنی ڈکٹ ہشتم کا زمانہ تھا اِس خط موسیقی مین اور بہت سی ترقیان اور اصلاحین ہوئین۔ چنانچہ اِسی زمانے مین پادریون کے بنی ڈکٹن گروہ کے ایک راہب نے جو علاقۂ ٹسکانی کے ایک گمنام گاؤن آرزد مین پیدا ہوا تھا اور "گوئی ڈر" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا ساتون خطوط متوازی کا وہ شمار سات سے گھٹا کے چار ہی کر دیا۔ اس لیے کہ چار خطوط اور اُن کے درمیان کی تین خلاؤن سے مِل کے سات مقامات قائم ہو سکتے تھے۔ اس مین چونکہ خطوط کی درمیانی خلا سے بھی کام لیا گیا تھا اِس لیے نقطون اور آڑے ترچھے خطون کے علامات و نشانات اُن خطون کے درمیان مین بھی قائم کر دیے جاتے۔

"یہی تحریر موسیقی آج تک یورپ مین مروج ہے۔ اور وہان کے تمام موسیقی کالجون مین اِسی خط موسیقی کی تعلیم دی جاتی ہے۔"

یورپ کے اِس خط کو ہم اپنا بنا سکتے ہین

اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہم اگر چاہین تو اِس تحریر سے پورا فائدہ اُٹھا سکتے ہین۔ لیکن نہین۔ مناسب یہ ہو گا کہ ایک کمیٹی اِس پر غور کر کے اپنے موسیقی کے سُرون۔ مینڈون اور زمزمون اور اُن کے نیچے اور اُوپر کے مدارج کے لحاظ سے نئی علامتین قائم کر کے اِس خیال سے فائدہ اُٹھائے اور اِسی تحریر کو اپنا بنا لے۔

اب مین اپنے سامعین سے یہ عذر کر کے رخصت ہوتا ہون
کہ مین دراصل اُس عزت کا اہل نہ تھا جو اس کانفرنس مین
شریک کر کے مجھے دی گئی۔ مین موسیقی سے عملی طور پر پوچھیے تو
بالکل ناواقف ہون۔ مگر اہل فن کی صحبت اور مطالعۂ کتب
نے ایک حد تک اِس فن سے آشنا کر دیا ہے۔ جس کی وجہ
سے مجھے آپ ایسے باکمالون کی خدمت مین اپنے اِن خیالات
کے ظاہر کرنے کی جُرأت ہوئی۔ فقط

تصانیف مولانا محمد عبد الحلیم صاحب شرر

تاریخ

(۱) **جنید بغدادی** - حضرت جنید کے حالات - عہ/
(۲) **ابو بکر شبلی** - حضرت شبلی کے حالات - عہ/
(۳) **تاریخ سندھ** - عرب کے فتوحات سندھ کی محققانہ تاریخ - جلد اول عہ/ جلد دوم - ۱۲/
(۴) **عصر قدیم** - اقوام سلف کی نہایت واضح تاریخ (لائبریری ایڈیشن نمبر۴) عہ/
(۵) **حروب صلیبیہ** - انگریزی ترجمہ اور عربی سے تحشی - ۶/
(۶) **افسانۂ قیس** - مجنون عامری کے حالات - (لائبریری ایڈیشن نمبر۱) ۲/
(۷) **حسن بن صباح** - باطنیۂ اسماعیلیہ کا بانی اور بمبی کے خوجون کی اصلیت (لائبریری ایڈیشن نمبر۳) ۶/
(۸) **سکینہ بنت حسین** - جناب سکینہ کے حالات زندگی ۱/
(۹) **خواجہ معین الدین چشتی** - ۶/
(۱۰) **ملکۂ زنوبیہ** - سلف کی ایک عربی نژاد ملکہ - ۲/
(۱۱) **آغائی صاحب** - رئیس مرحوم کے حالات عہ/

ناول

(۱۲) **فلورا فلورنڈا** - اندلس مین سلطنت عرب (لائبریری ایڈیشن نمبر۶) ۸/
(۱۳) **فلپانا** - عہد صحابہ کا ایک سچا واقعہ (لائبریری ایڈیشن نمبر۷) عہ/
(۱۴) **رومتہ الکبریٰ** - روم پر گاتھ گوتھون کا حملہ - ۱۲/
(۱۵) **زوال بغداد** - دولت عباسیہ کا استیصال ۱۲/
(۱۶) **ماہ ملک** - غوریون کا عروج - ۶/
(۱۷) **یوسف نجمہ کا ل** جگ بیتی نہین آپ بیتی - عہ/
(۱۸) **فتح اندلس** - اسپین پر عربون کا حملہ - ۶/

(۱۹) **فردوس برین** - جیتے جی جنت کی سیر - عہ/
(۲۰) **غیب دان دولھن** - حیرت انگیز غیب دانی - عہ/
(۲۱) **حسن کا ڈاکو** - حرام پور کے نواب کی سرگزشت - حصہ اول ۱۲/ حصہ دوم - ۱۲/
(۲۲) **اسرار دربار حرام پور** - حرام پور کے نواب کے اور حالات نمبر (۱) ۵/ نمبر (۲) ۵/
(۲۳) **خوفناک محبت** - ہندوستانی شریف زادیون کی پاکدامنی و جہالت کی اس سے اچھی تصویر نہین ہوسکتی ۱۲/
(۲۴) **الفانسو** - جزیرۂ سسلی (صقلیہ) کے قدیم حالات کا ایک تاریخی واقعۂ عشق نہایت سچے اور موثر جذبات - ۱۲/

متفرق

(۲۵) **الحکم الرفاعیہ** معرفت مین سید احمد رفاعی کے ایک پر مغز رسالہ کا ترجمہ - ۳/
(۲۶) **سرسید کی دینی برکتین** - ۲/

دلگداز کی جلدین

(۲۷) جلد سنہ ۱۹۰۳ء ۱۲/	(۳۱) جلد سنہ ۱۹۰۹ء ۱۲/	(۳۵) جلد سنہ ۱۹۱۳ء ۱۲/
(۲۸) جلد سنہ ۱۹۰۴ء ۱۲/	(۳۲) جلد سنہ ۱۹۱۰ء ۱۲/	(۳۶) جلد سنہ ۱۹۱۴ء ۱۲/
(۲۹) جلد سنہ ۱۹۰۵ء ۱۲/	(۳۳) جلد سنہ ۱۹۱۱ء ۱۲/	(۳۷) جلد سنہ ۱۹۱۵ء ۱۲/
(۳۰) جلد سنہ ۱۹۰۶ء ۱۲/	(۳۴) جلد سنہ ۱۹۱۲ء ۱۲/	

متفرق مطبوعات دلگداز پریس

معاشرت - انگریزی کی گلستان سرجان لبک کی مشہور کتاب "یوز آف لائف" کا ترجمہ ۶/

پاداش عمل - ایک نہایت ہی دلچسپ ناول موسوم "کنتھ" کا ترجمہ جسے مولوی محمد صدیق حسن صاحب نے نہایت ہی خوبی و فصاحت سے ترجمہ کیا اور سنہ ۱۹۱۵ء کے دلگداز مین شائع ہوا - ۱۲/

المشتہر حکیم محمد سراج الحق مینجر دلگداز کٹرہ بزن بیگ خان - لکھنؤ

آئینۂ سلوک

مصنفہ

خادم کونین محب حسین عفی اللہ ذنوبہ مصنف

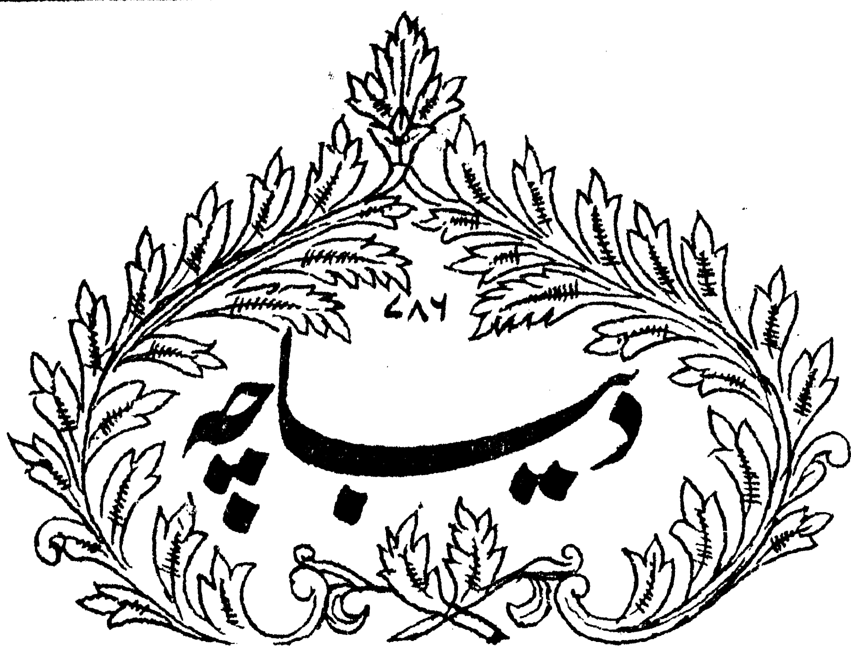
گلزار معرفت ۔ رقعات محب ۔ وصال حق وغیرہ

خلاصہ

اس کتاب مین معرفت وحقیقت کا دریا کوزے مین بھرا گیا ہے اور تمام اسرار باطن پر ایک اجمالی نظر ڈالی گئی ہے ۔ سالک کو اس کتاب کی اشد ضرورت تھی اور یہ اردو فلسفہ تصوف مین آپ اپنی نظیر ہے ۔ کوئی مقام ترقی اور تنزل اس مین فروگذاشت نہین کیا گیا ہے ۔

۱۳۳۲ھ

مطبع اختر دکن واقع افضل گنج حیدرآباد دکن مین چھپا



یہ کتاب اس غرض سے لکھی گئی ہے کہ عوام الناس کو علم تصوف اور فلسفہ باطن سے اجمالی واقفیت حاصل ہو اور وہ ان غلط خیالات سے محفوظ رہین جو اس زمانہ مین روحانیات کی نسبت بکثرت شایع ہین اگر اس کے پڑھنے سے صرف یہی مقصد حاصل ہوا تو مصنف کی محنت چیز ہوئی۔ مگر اس کتاب کا ماخذ کتاب میتھڈ تو سایکک ڈولپ مینٹ یعنی انکشاف اسرار عالم مثال ہے۔ مصنف نے قرآن شریف اور حدیث نبوی اور دیگر کتب تصوف سے بھی مدد لی ہے اور اپنے ذاتی تجربہ و مشاہدہ سے بھی کام لیا ہے اور جدید اور قدیم معلومات سے جو بات ٹھیک نظر آئی ہے وہی درج کیگئی ہے گویا کہ یہ ایک عطر ہی جو ہزارون مختلف رنگ اور خوشبودار پھولون سے کھینچا گیا ہے۔ جہان تک ہو سکا اس کتاب کے سریع الفہم بنانے مین سعی کیگئی ہے اور مطالب کی صحت کا خیال بھی رکھا گیا ہو امید قوی ہے کہ اس کتاب کے پڑھنے والونکو ضرور اسرار باطنی کے سمجھنے مین آسانی ہوگی۔ توکلت علی اللہِ وھو حسبی و نعم الوکیل۔

راقم۔ محب حسین۔ فیلخانہ حیدرآباد دکن

فہرست مضامین آئینہ سلوک

———

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آئینہ سلوک

عالم مثال

فصل ا۔ اندراج الکل فی الکل

عالم مثال کہاں ہے؟

دنیا کے تمام مذاہب اس بات پر متفق ہیں کہ یہ دنیا یا عالم ناسوت دوسری وسیع دنیا یا عالم مثال کا ایک پیش دالان ہے۔ یعنی مرنے کے بعد ہمیں ایک اور عالم میں جانا ہوتا ہے جو اس عالم مادی سے بہت ہی بڑا اور وسیع ہے۔ جسکو عالم مثال یا عالم ملکوت کہتے ہیں مادین اور آجکل کے سائینٹفک لوگ تو اس عالم کے وجود ہی سے منکر ہیں۔ اور اہل مذہب یعنی علمائے ظواہر اس کے وجود سے تو انکار نہیں کرتے۔ مگر اسکو مخفی اور نا معلوم قرار دیتے ہیں۔ اور

انہون نے دنیاداروں کو یہ باور کرایا ہے کہ عالم آخرت آسمان پر ہے۔ متکلمین نے اسکے اثبات مین مختلف دلائل پیش کئے ہین اور شاعرون نے اسکے باغون اور جنتون اور جہنمون کے مختلف خواب دیکھے ہین اور اپنے خیالون کو طرح طرح کی رنگا میزیون کے ساتھ بیان کیا ہے۔ مگر اہل دل اور اہل تصوف نے اس عالم مثال کو اپنی آنکھون سے دیکھا ہے اور اسکو صاف صاف اسی طرح بیان کیا ہے جیسے کوئی سیاح کسی ملک کو جاکر دیکھے اور پھر اس کے حالات نہایت ہی شرح وبسط کے ساتھ لکھے مہاتما بودہ فرماتے ہین کہ مین عالم مثال سے اسی طرح واقف ہون جسطرح اپنے وطن کے گلی کوچون سے سالکین کو عالم مثال کے تمام طبقات کا تفصیلی علم ہے اور انہون نے اس عالم کے باشندون اور اونکے اچھے برے حالات کو نہایت ہی احتیاط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ چنانچہ قرآن شریف مین اسی عالم کی نسبت جا بجا مختلف پیرائے مین بیان کیا گیا ہے کہ وہان حورین ہین اور محل سرا ہین اور دنیا کی طرح صدہا قسم کے میوے ہین۔ وہان نہرین جاری ہین اور طرح طرح کے خوشنما باغات ہین۔ وہان لوگ بڑے عیش و آرام مین رہین گے۔ اور وہان عذاب کی بھی مختلف شکلین ہین۔ جو لوگ جنت اور بہشت کے مفصل حالات معلوم کرنا چاہتے ہین انہین ضرور ہے کہ قرآن مجید کو بغور

ملاحظہ فرمائین اور احادیث اور اقوال بزرگان دین سے بھی جنھون نے بذاتہ اس عالم کا مشاہدہ کیا ہے عالم مثال کے پورے حالات معلوم ہوسکتے ہین۔

آج کل روز بروز اس عالم مثال کا علم زیادہ ہوتا جاتا ہے اور اسکے تفصیلی کیفیات سالکین پر زیادہ وضاحت کے ساتھ منکشف ہوتی جاتی ہین مگر ابھی عوام الناس کو ان حالات کی کچھ خبر نہین اور وہ بوجہ عدم علم کے ان باتون سے فائدہ نہین اُٹھا سکتے اور اپنی جہالت کی وجہ سے خداوند تعالی کی وسیع مخلوقات کے مشاہدے سے محروم ہین۔

جب کسی معمولی دنیا دار سے یہ پوچھا جاتا ہے کہ عالم مثال یا عالم آخرت کہان ہے۔ تو وہ اس سوال کو سنکر دنگ رہ جاتا ہے۔ اور کوئی جواب بن نہین پڑتا مگر جب اسکی یہ حیرت اور تعجب کم ہوتے ہین تو اسکو یاد آتا ہے کہ مین نے کہین کسی مذہبی کتاب مین آخرت کا لفظ پڑھا ہے یا کسی واعظ کی زبان سے عالم مثال یا آخرت کا بیان سنا ہے تو وہ اپنی انگلی آسمان کی طرف اُٹھا کر کہتا ہے کہ عالم آخرت وہان ہے۔اس کے اس جواب سے صاف واضح ہے کہ وہ اپنے ذہن مین عالم آخرت کی جگہ آسمان مین اسی طرح جانتا ہے جس طرح کہ زہرہ اور مشتری ہین اگر یہ شخص کتب تصوف کا مطالعہ کرتا تو اسکو معلوم ہو جاتا کہ عالم

ہمارے ہی اندر اور باہر ہر جگہ ہے اور ہم اسکے اندر ہین اور وہ ہمارے دل کے اندر ہے۔ اور اسی طرح ہر چیز کے اندر اور باہر عالم مثال موجود ہے۔ گویا کہ دنیا کے اندر عالم مثال اور عالم مثال کے اندر دنیا ہے۔

بالفرض اگر ہم اس کا یہ جواب صحیح مان لین کہ عالم مثال آسمان مین ہے اور ہم مشتری تارے پر جائین اور وہان بھی یہی سوال کرین کہ عالم مثال کہان ہے۔ تو اُس وقت بھی یہ معمولی آدمی یہی جواب دیگا کہ ہمارے اوپر ہے اور اس وقت یہی ہماری زمین ہمارے اوپر نظر آئے گی۔ جس طرح کہ اس وقت ہمکو مشتری ہمارے اوپر نظر آتی ہے ہمین کوئی وجہ معلوم نہین ہوتی کہ ہم عالم مثال اپنے اوپر خیال کرین جبکہ وہ ہمارے ہی اندر ہے اور یہ کہین کہ وہ آسمان مین ہے۔

غیر مرئی دنیا

سالکین جو مخفی اسرار قوانین قدرت سے آگاہ ہین اس غیر مرئی دنیا یعنی عالم مثال سے بخوبی واقف ہین۔ ہمارے اس کرۂ ارض کے اطراف ایک اور لطیف مادے کا عالم محیط ہے اور یہ لطیف مادہ دنیا کی ہر شئے کے اندر سرایت کئے ہوئے ہے۔ کوئی چیز ایسی نہین ہے گو وہ ایک چھوٹے سے چھوٹے ذرہ ہی کیون نہ ہو جس کے

اندر اور باہر یہ لطیف مادّہ موجود نہ ہو۔ ہم سب اس وقت عالم مثال میں موجود ہیں مگر اُس سے واقف نہیں۔ عالم مثال کے مخلوقات انسان۔ جانور وغیرہ سب ہمارے اطراف و جوانب پائے جاتے ہیں۔ مگر ہم انہیں دیکھتے نہیں۔ آسمان پر عالم آخرت کو تلاش کرنا بالکل بے سود ہے۔ نہ وہ ستاروں میں ہے اور نہ وہ اور کہیں مگر وہ ہمارے ہی اطراف اور ہمیں میں موجود ہے جسطرح کرۂ ہوا اور ایتھر ہمارے اطراف و جوانب محیط ہیں جنھیں ہم اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھتے اسی طرح عالم مثال بھی ہمارے چاروں طرف محیط ہے۔ اس عالم کے باشندے ہمارے پاس سے بلکہ ہمارے اندر سے گزر جاتے ہیں مگر ہمیں اُن کی کوئی خبر نہیں ہوتی۔

قرآن شریف میں جہاں کہیں سماوات کا ذکر ہے تو اس سے یہی سات عالم مراد ہیں اور آسمان سمو سے مشتق ہے جسکے معنی بلندی کے ہیں۔ پستی اور بلندی کے معنی ثقل اور لطافت کے ہیں اور سبعہ سموات سے مراد سبعہ عوالم ہیں جن کے مادّے ایک دوسرے کی نسبت لطیف تر ہیں۔

جب اس سبع عالم کے لوگ اس مادی دنیا میں کام کرنا اور اس کا تجربہ اور مشاہدہ کرنا چاہتے ہیں تو وہ اس جسم کثیف کو اختیار کرتے ہیں۔ اسی کارروائی یعنی اس جسمانی قالب میں آنے کو ہم حیات یا پیدایش یا زندگی وغیرہ کہتے ہیں۔ اور جب یہ لوگ اس دنیا کی سیر

اور تماشے یا محنت اور کام سے دل برداشتہ ہو جاتے ہین تو اس
قالب جسمانی کو چھوڑ دیتے ہین اور اس وقت یہ کارروائی یعنی جسم
کے چھوڑ دینے کو موت کہتے ہین اسکی ٹھیک مثال یہ ہے کہ آدمی
جب گھر سے باہر جاتا ہے۔ تو اپنے بدن کی حفاظت کے لئے کوٹ
پہن لیتا ہے اور جب مکان مین واپس آتا ہے۔ تو اُتار ڈالتا ہے
یا جب کپڑے پُرانے ہو جاتے ہین تو انھین پھینک دیتا ہے اور
نیا جوڑا پہنتا ہے۔ غرضکہ حیات اور موت صرف اس مادی قالب کا
اختیار کرنا اور چھوڑ دینا ہے۔ اور یہ عالم آخرت جسکا مادہ لطیف
ہے ہمارا اصلی وطن ہے اور یہ کثیف مادے والی دنیا پردیس یا
اجنبی ملک ہے جہان ہم کچھ مدت تک رہ کر چلے جاتے ہین۔ ہم
اس دنیا مین وقتاً فوقتاً آتے ہین اور یہان تھوڑے یا بہت وقت
تک ٹھہر کر واپس چلے جاتے ہین۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک
شخص خام اشیا کے خریدنے کے لئے دور دراز ملک کو جاتا ہے۔
اور وہان سے انھین لا کر عمدہ مصنوعات تیار کرتا ہے۔ اسی طرح
ہم اس دنیا مین علم الٰہی اور دنیا کا تجربہ اور مشاہدہ حاصل کرنے کے
لئے آتے ہین اور پھر اپنی طاقت کے بموجب یہان کام کر کے لوٹ
جاتے ہین۔ اسی آنے جانے کو حیات اور موت سے تعبیر کرتے ہین۔

عالم آخرت سے دنیا مین آنے جانے کو اہل ہند اپنی اصطلاح مین
آواگون (تناسخ) کہتے ہین اور اہل اسلام اسکو بعث و نشر سے تعبیر

کرتے ہین اور اہل یوروپ اسکو اپنی زبان مین ری انکارنیشن بولتے ہین۔ الفاظ مین اختلاف ہے مگر معنی اور مفہوم ان سب کے ایک ہی ہین چنانچہ قرآن شریف مین خداوند تعالی جل شانہ فرماتا ہے۔ **وکنتم امواتاً فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون۔**

یعنی تم مردے تھے پھر تم کو جلایا۔ پھر تم کو مارا پھر تم کو جلایا پھر تم اسی کی طرف لوٹتے ہو۔

اس آیت سے صاف واضح ہے کہ دنیا مین لوگ مرکر پھر زندہ ہوتے ہین اور پھر زندہ ہوکر مرتے ہین یعنی عالم آخرت سے آتے اور پھر وہین لوٹ جانے کا سلسلہ قائم ہے اسی طرح ایک اور آیت قرآن سے بھی آواگون ثابت ہے اور وہ یہ ہے کہ **بل ھم فی لبس من خلق جدید** ۔ یعنی وہ بار بار زندگی کا جامہ پہنتے ہین یعنی اس عالم ناسوت مین پیدا ہوتے ہین۔ الغرض آیات قرآنی سے ہمارا یہان آنا جانا بخوبی ثابت ہے اور عالم آخرت یا مثال ہمارا وطن مالوف ہے مگر عموماً لوگ اس عالم آخرت سے واقف نہین۔ جو اس دنیائے دنی سے بہت ہی وسیع ہے۔ اس عدم علم کی وجہ یہ ہے کہ ہم اپنے بعض باطنی حواس سے کام نہین لے سکتے۔ اگرچہ کہ وہ ہم مین بالفعل بطور قابلیت کے موجود ہین۔ اگر کسی شخص کی قوت شامہ سردی یا اور کسی وجہ سے جاتی رہی ہو اور وہ ایک ایسے کمرے مین داخل

ہو جہان گلاب کے خوشبودار پھول رکھے ہون اور ان سے بھینی
بھینی خوشبو چارون طرف پھیل رہی ہو تو وہ کبھی ان پھولون کی
بو کو محسوس نہ کرے گا۔ یا اگر کوئی ایسا شخص جسکی نظر کوتاہ ہے کسی
ایسے سبزہ زار یا گلستان مین جائے جہان رنگ برنگ کے پھول
کھلے ہون اور چارون طرف سبزہ لہلہا رہا ہو تو اس کم نظر کو یہ قدرت کی
خوبصورتی پوری طور سے دکھائی نہ دے گی بلکہ اسکو بھورا و ہوان سا
نظر آئے گا۔

عالم آخرت فی الواقع موجود ہے۔ مگر اسکی خوبصورت قدرتی مناظر
اور اسکے باشندے ہمین دکھائی نہین دیتے۔ ہم مین اس کے محسوس
کرنے کے حواس باطنی موجود تو ہین مگر وہ اس قدر کمزور اور
بے کار ہین کہ اس عالم کی ہوا کا تموج یا حرکات ان تک نہین پہنچتے
اور ہم بوجہ عدم قابلیت کے وہان کی کسی چیز کا ادراک نہین کرسکتے
ابھی عام طور پر اس قدر ترقی باطنی ظہور مین نہین آئی کہ اکثر لوگ اس
عالم کو اپنے حواس باطنی سے مشاہدہ کرین۔ مگر امید ہے وہ زمانہ
نزدیک ہے کہ عام طور پر لوگ اس عالم کو اپنی نظر سے دیکھین گے
اور اس کی مخلوق سے فائدے اٹھائین گے۔

عالم آخرت اور عالم مثال کی اثبات پر بکثرت شہادتین موجود ہین

اگر ہم اخبارات اور کتابون کو اس نظر سے پڑہین کہ لوگون کو وقتاً
فوقتاً کون سے ایسے واقعات کا تجربہ ہوا ہے یا ہو رہا ہے جو عالم
آخرت یا عالم مثال کی شہادت مین پیش کئے جا سکتے ہین۔ تو تھوڑی
ہی عرصہ کے بعد ہمارے پاس ایسے واقعات کا خزانہ جمع ہو جائیگا
جس سے ہمین ان عالمون کے یقین مین کوئی شک وشبہ باقی نرہیگا
ہر شخص کا انفرادی تجربہ اور مشاہدہ تو ناکافی الثبوت ہے۔ مگر
جب اکثر اشخاص کا یہ انفرادی تجربہ ایک جگہ جمع کیا جاتا ہے تو وہ
البتہ کسی مسئلہ کے اثبات کا پورا ثبوت ہوتا ہے اور اسی کو اصطلاح
منطق مین تواتر کہتے ہین۔ جو یقینی استدلال کی ایک قسم ہے۔ اتفاقاً
جب کبھی ہم ایک خواب دیکھتے ہین یا کسی روح کو اپنے سامنے پاتے
ہین تو یہ واقعہ ایک وقت تک ہمین یاد رہتا ہے اور اس کو ہم اپنے
دو چار دوستون سے بیان کرتے ہین اور اس پر تھوڑا بہت غور
کرکے کوئی نتیجہ نکالتے ہین مگر پھر ایک عرصہ کے بعد ہم اس واقعہ
کو بھول جاتے ہین۔ اور وہ نسیاً منسیاً ہو جاتا ہے۔

واقعی اس جزوی تجربہ اور مشاہدے سے کوئی کافی نتیجہ تو نہین
نکلتا یا کسی امر خاص کا ثبوت تو نہین ہوتا مگر جب ہم ان سوسائٹیون
کے رجسٹرون اور رپورٹون کو بغور مطالعہ کرتے ہین جو عالم مثال کی
تفتیش اور تحقیقات مین مصروف ہین تو ہمین یہ بات معلوم ہوتی
ہے کہ انسان بحیثیت مجموعی اس وسیع اور مرکب عالم سے متصل ہے

جسکو ہم مثال کہتے ہین اور جسے ہم مشاہدہ بھی کرتے ہین۔
کبھی کبھی لوگون کو سچے خواب نظر آتے ہین۔ اور وہ دور و دراز اشخاص اور مقامون کو اپنے سامنے دیکھتے ہین اور ان کی نسبت صحیح خبرین دیتے ہین۔ بعض اشخاص خواب یا مراقبہ مین دیکھ کر آیندہ کے حالات کی نسبت سچی پیشین گوئیان کرتے ہین اور آنے والے خطرات اور مصائب کو کنایتاً اور اشارتاً بیان کرتے ہین۔ بعض اشخاص کو مرے ہوے آدمی ان مقامات مین نظر آجاتے ہین جہان وہ اپنی زندگی مین اکثر سکونت رکھتے تھے۔ بعض لوگ بھوتون اور ارواح خبیثہ کو اپنی آنکھون سے دیکھ کر ڈر جاتے ہین۔ بعض اشخاص کے دماغون مین ایسے نئے نئے اجنبی اور غیر معمولی خیالات آتے ہین جن کی وجہ سے وہ نہایت ہی مشہور و معروف آدمی ہوجاتے ہین اور لوگ انہین ولی اور دیوتا کہنے لگتے ہین۔ ان تمام واقعات سے بخوبی ثابت ہے کہ انسان ایک بہت ہی صاحب عظمت اور جامع جمیع کائنات وجود ہے حالانکہ بظاہر وہ ایک معمولی مخلوق نظر آتا ہے۔ اور یہ دنیا ایک اور وسیع عالم کے اندر غرق ہے اور یہ خاکی گولہ دوسرے عظیم الشان اور لطیف گولہ کے اندر موجود ہے اس بات کی کوئی ضرورت نہین کہ انسان صرف سلوک ہی کے ذریعہ سے عالم آخرت یا عالم مثال کو پہچانے بلکہ اس کے اطراف وجوانب اس قدر مادی اور غیر مادی شہادتین موجود ہین جن کے

ملاحظہ سے ان عالمون کا پورا یقین اسکو ہوسکتا ہے۔

مشاہدے اور تجربہ کے علاوہ تمام کتب ربانی مثلاً قرآن شریف توریت۔ انجیل۔ گیتا وغیرہ اور اقوال صوفیاے کرام اور تذکرات اہل اللہ سب کے سب اس بات پر بالاتفاق شاہد ہین کہ عالم آخرت یا عالم مثال موجود ہے اور اسکے وجود مین کوئی شک وشبہ نہین ہوسکتا۔ چنانچہ قرآن شریف مین فرمایا گیا ہے وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ۔ یعنی جو لوگ آخرت پر یقین رکھتے ہین۔ ایمان بالآخرت جزو اسلام ہے۔ جس سے کوئی شخص انکار ہی نہین کرسکتا

عالم مثال کے نامحسوس اثرات

عمر بھر ہم پر عالم مثال کے اثر پڑتے رہتے ہین۔ مگر ہم انہین بہت مشکل سے محسوس کرتے ہین۔ ہر لحظہ دوسرے اشخاص کے احساس اور خیالات کا اثر ہمارے دلون پر پڑتا ہے اور یہ احساس اور خیالات ہمین اپنی طرف کھینچتے ہین اور ہمارے دماغون مین چکر کھاتے ہین۔ اور بالآخر وہ ہم سے افعال کی صورت مین سرزد ہوتے ہین۔ مگر ہمکو یہ معلوم نہین ہوتا کہ وہ ہمارے خیالات نہین ہین۔ ہم انہین اپنے ہی ذاتی خیالات تصور کرتے ہین۔

اس مقام پر ہم ایک واقعہ کو پیش کرتے ہین جو ایک صاحب کو جہاز کے سفر مین پیش آیا تھا۔ اس واقعہ سے اس امر کا پورا ثبوت

ہوتا ہے کہ ایک شخص کے احساس اور خیالات کا اثر دوسرے شخص پر پڑتا ہے۔

وہ بیان کرتے ہین کہ مین جہاز پر سوار تھا۔ اور اپنے کتاب کے مطالعہ مین مصروف تھا کہ اتنے مین میرے دل مین دفعتاً وحشتناک احساس اور خیالات پیدا ہوئے۔ مین نے غور کیا تو کوئی وجہ ان خیالات کے پیدا ہونے کی معلوم نہین ہوئی۔ کتاب کے مضامین مین کوئی اس قسم کی بات نہ تھی جن سے یہ گھبراہٹ کے احساس پیدا ہوتے۔ پھر مین نے اپنے ادہر ادہر نظر دوڑائی تو معلوم ہوا کہ ایک مان گھبراکر اپنے بچے کو بچانے کے لئے دوڑی ہے جو جہاز کے کنارہ پر چڑھ گیا تھا اور قریب تھا کہ وہ سمندر مین گر پڑے۔ اس وقت مجھے ثابت ہوا کہ اسی عورت کے پریشان خیالات اور متوحش احساس کا اثر میرے دل پر پڑا ہے اور وہ پہلے اسی کے دل مین پیدا ہوئے ہین۔

بارہا مجھے اسبات کا ذاتی تجربہ اور مشاہدہ ہوا ہے کہ جو خیال میرے دل مین زور سے آیا ہے اسکا اثر میرے قرب وجوانب کے لوگون پر پڑا ہے۔ جب میرے دل مین عورتون کے پردے کے متعلق زور دار خیال تھے۔ تو اس وقت حیدرآباد تو کیا تمام ہندوستان مین یہ خیال پھیل گیا تھا اور پھر اس کا اثر مصر۔ ترکی وغیرہ دور دراز ملکون تک پہنچا تھا۔ اور جب یہ خیال میرے دل سے چلا گیا۔ تو مین نے

دیکھا کہ وہ دوسرے لوگون کے دلون سے بھی کم ہوتا گیا۔ اسی طرح جب میرے دل مین خدا کا خیال زوردار ہوا تو مین نے دیکھا کہ اس کا اثر تمام گھر پر پڑا اور جس جلسہ اور محلس مین مین جاتا تھا۔ وہان بغیر میرے ذکر چھیڑے ہوئے خدا کا ذکر چھڑ جاتا تھا۔

ان واقعات سے بخوبی ثابت ہے کہ ایک شخص کے خیالات اور احساس دوسرے لوگون کے دلون مین منتقل ہوتے ہین اور ان کا اچھا اور برا اثر ان پر پڑتا ہے۔ اسی واسطے کہا گیا ہے کہ اولیا اللہ کی صحبت سے انسان کو بہت فائدے پہنچتے ہین اور وہ صبغۃ اللہ کے رنگ مین رنگ جاتا ہے۔ جس سے زیادہ کون اچھا رنگ ہے اور اسی اصول پر ایک ولی کی پہچان یہ قرار پائی ہے کہ جب تک اسکی صحبت مین بیٹھین اتنی دیر تک تمام دنیوی خیالات سے دل پاک صاف رہے اور دل مین خدا کا خیال خود بخود پیدا ہونے لگے۔ اگر یہ بات کسی پیر کے پاس بیٹھنے سے حاصل نہ ہو۔ تو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ مصنوعی پیر ہے۔ اور اسکے دل مین خدا کی محبت نہین بلکہ دنیا اس کے دل مین گھر کئے ہوئی ہے

دنیا مین نئے خیالات پیدا کرنے والے لوگ بہت ہی کم ہین اور نیا خیال شاذ و نادر ہی کسی کے دماغ مین آتا ہے۔ عموماً لوگون کے دلون مین وہی خیالات آتے ہین جو ان کے اطراف وجوانب بھرے ہوئے ہین۔ کوئی انکا ذاتی خیال نہین۔ جب ہم کوئی خیال

پیدا کرتے ہین تو وہ اس مجموعہ خیالات ہین مل جاتا ہے جسکو بنی نوع
انسان نے پیدا کیا ہے۔ عقلمند آدمی وہ ہے جو اپنے دل اور
دماغ کو اعلےٰ درجہ کے خیالات مین لگائے رکھتا ہے اور اسکو
ایسا تربیت کرتا ہے کہ وہ پاکیزہ اور بلند خیالات ہی کو جذب کرے
اور نیچے اور پست خیالون کو اپنے پاس بھٹکنے نہ دے۔ اس
اکتساب اور تربیت سے اس کا دل و دماغ ایک فلٹر یا چھلنی ہوجائیگا
جو برے خیالون کو دور کردے گا۔ اور اچھے خیالات کو لے لیگا۔ اور
اس تدبیر سے اسکا دماغ دوسرون کے خیالات بد کے اثر سے
ہمیشہ محفوظ رہے گا۔ کاملین اولیاء اللہ نے اس غایت کے حاصل
کرنے اور برے اثرات سے محفوظ رہنے کے لئے طرح طرح کے
ذکر و شغل اور مراقبات بتائے ہین جن سے بہت ہی کم اشخاص بدقسمتی
سے فائدہ اٹھاتے ہین۔

عالم مثال یا آخرت کا وجود حقیقی ہے

ہم لوگ عموماً اس مادّی دنیا ہی کے کاروبار مین مستغرق ہین اور
اپنی ساری ہمت اور توجہ ہمہ تن اسی کی طرف متوجہ رکھتے ہین۔
اسلئے ہم لوگون پر عالم مثال کا کھلنا اور ہمکو اس مین رسائی پیدا
کرنی بہت دشوار ہے۔ ہمارے حواس خمسہ مادّے اور تعینات
کی بیڑیون مین اس قدر جکڑے ہوئے ہین کہ وہ ایک دم بھی اُن

دنیوی زنجیرون سے رہائی نہین پاتے۔ اس لئے ہم عالم مثال کی اشیا کو نہ تو اپنی آنکھون سے دیکھ سکتے ہین اور نہ اس کی آوازون کو اپنے کانون سے سن سکتے ہین اور نہ اسکی بو کو اپنی ناک سے سونگھہ سکتے ہین اور نہ اسکی لطیف اشیا کی سطحون کو چھو سکتے ہین۔ گو ہم اس حقیقی عالم کو اپنے حواس سے ادراک نہ کرسکین اور اس کی لطیف چیزون کی نازک تحریک ہماری بھدے اور کثیف اعضائے احساس تک نہ پہنچے۔ تاہم اس عالم کی واقعیت اور اصلیت مین کوئی شک وشبہ نہین۔

سب کو معلوم ہے کہ مہینے کی بعض تاریخون مین چاندون کو دکھائی دیتا ہے۔ اس وقت ہم اس کے برف جیسے دہندلے جرم پر نظر تو ڈالتے ہین۔ مگر ہمارے دل مین یہ خیال کبھی نہین آتا کہ چاندنی اس وقت بھی موجود ہے جیسی کہ وہ گزشتہ رات کو تھی۔ اس وقت ہم دہوپ ہی کو دیکھتے ہین جس کی تیز روشنی سے وہ چھپی ہوئی ہے۔ مگر شام کو جب آفتاب خون آلودہ شفق مین ڈوب کر ہماری نظرون سے غائب ہو جاتا ہے۔ تو اس وقت فوراً چاندنی دکھائی دینے لگتی ہے۔

دن مین بھی چاند کی نازک اور ٹھنڈی شعاعین ہم پر پڑتی رہتی ہین۔ مگر ہم اس وقت انہین دیکھتے نہین۔

یہی حال عالم مثال کا بھی ہے۔ وہ اس وقت ہمارے اطراف وجوانب اور اندر موجود ہے اور اپنا پورا اثر ہم پر ڈال رہا ہے۔ مگر ہم اس مادی دنیا کی طرف اس قدر متوجہ ہین کہ ہمکو وہ محسوس ہی نہین

ہوتا۔ جب ہم اپنے دل کو دنیا کے کاروبار سے ہٹاتے ہین اور اپنے ظاہری حواس کو بند کرنے کا فن سیکھ لیتے ہین اور اپنے نفس کو باتین کرنے سے تھوڑی دیر کے لئے روک دیتے ہین۔ یعنی حدیث نفس کو روکتے ہین۔ تو اس وقت عالم مثال یا آخرت کا دروازہ کھلتا ہے اور ہم اُدھر کی چیزون کا مشاہدہ کرتے ہین۔ اس موقع پر کسی ہندی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ" بھیتر کے پٹ جب کھلین جب باہر کے پٹ دے" یعنی حواس ظاہری کے بند کرنے سے حواس باطنی کھلتے ہین۔ اور عالم آخرت نظر آتا ہے۔

سونا اور خواب دیکھنا

خوش قسمتی سے ہم اپنے گمان سے زیادہ اس عالم مثال سے واقف ہین۔ ہم اس عالم مین جاتے ہین اور اس کی چیزون کو دیکھتے ہین پھر بھی ہم اپنے وہم و خیال سے اسکے وجود کے منکر ہین۔ جب ہم سو جاتے ہین۔ اُس وقت ہم اپنی مثالی وجود کا جامہ پہنکر جو اسی عالم مثال کے لطیف مادے سے بنا ہے اس جسم کثیف سے باہر جاتے ہین اور اس عالم کے مختلف مناظر کی سیر کرتے ہین اور اس کی مجلا اشیا کو دیکھتے ہین۔ جو بذاتہ روشن اور نورانی ہین۔

سالکین کے لئے یہ خواب کوئی راز سربستہ نہین ہے۔ وہ اس کو

خوب سمجھتے اور اس سے فائدہ اٹھاتے ہین۔ مگر ہم لوگ اس مادی جسم ہی کو بذاتہ کوئی شے جانتے ہین اور اسی کو اپنا وجود مطلق خیال کرتے ہین اور روح کو اسکی ترکیب کیمیاوی کا نتیجہ جانتے ہین اور اسکو بذاتہ قائم و دائم نہین سمجھتے اور یہ گمان کرتے ہین کہ دماغ اور دل کے وجود پر افعال روحانی اور احساس اندرونی منحصر ہین اسلئے جب تک ہمارے یہ غلط خیالات دور نہ ہونگے۔ جنھین حکماے مادیئین نے اپنی غلط فہمیون سے پیدا کیا ہے اس وقت تک ہم عالم مثال یا خواب کو کبھی سمجھنے کے قابل نہ ہونگے۔ گو ہزار وہمی دلیلون اور خیالی توجیہون سے خواب کی تاویل کرین۔ مگر واقعیت اور اصلیت کے مرکز سے ضرور دور رہین گے

مگر خواب کا مسئلہ بہت سیدھا سادہ ہے۔ جب ہمارا دماغ بےحس یا غافل ہوجاتا ہے اور ہمارے حواس ظاہری دنیا کے احساس سے معطل ہوجاتے ہین تو ہم قالب مثالی کے ساتھ عالم غیرمرئی مین داخل ہوتے ہین جو ہمارے اطراف و جوانب موجود ہے اور ہم وہان کے سیر و تماشے دیکھتے ہین۔ اس وقت بھی ہمارا ادراک اور آگاہی وہی ہوتی ہے جو جاگنے مین تھی یعنی روح وہی رہتی ہے۔ مگر ایک جسم لطیف کو اختیار کرلیتی ہے۔ یعنی جسم کثیف کو چھوڑکر جسم لطیف کا جامہ پہنتی ہے۔ روح کے ان دونون قالبون مین البتہ فرق ہین ہے۔

جب ہم سو جاتے ہین اور عالم مثال مین داخل ہوتے ہین - تو اس وقت اس عالم مادی مین ہماری روح حیوانی اس قالب جسمانی کو قایم رکھتی ہے اور اس غیبت مین اس کے تمام سیلز یعنی ذرات اپنی غذا لیتے اور کام کی تھکاوت دور کرتے ہین - اور جو کچھ حالت بیداری مین طاقت اور مادہ زائل ہوا تھا اسکو پھر پھیر لیتے اور تازہ کرتے ہین - الغرض روح حیوانی کی تدبیر اور انتظام سے ہمارا جسم حالت غفلت مین پھر تر و تازہ ہوکر کام کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے اور ہم کھوئی ہوئی طاقت اور شعور کو از سر نو حاصل کرتے ہین -

جب ہم اس خواب غفلت سے پھر چونکتے ہین تو تمام اعضاے جسم پھر ہمارے حکم کو مستعدی کے ساتھ بجالاتے ہین اور دیر تک کام کرنے کے بعد پھر وہ تھک جاتے ہین اور پھر انہین آرام لینے کی ضرورت ہوتی ہے - اب یہان سے یہ بات خوب واضح ہے کہ ہماری روح کے چلے جانے سے جسکو ہم خواب کہتے ہین اس جسم کثیف کو راحت ملتی ہے - تو گویا جب تک ہم عالم مثال مین رہتے ہین - اس وقت تک یہ جسم مادی ارام و راحت پاتا ہے

بعض اوقات جب ہم نیند سے چونکتے ہین تو ہم اپنی سیر کو جو سونے مین کی تھی یاد کرنے کی بہت کوشش کرتے ہین - اور دماغ پر بہت زور ڈالتے ہین کہ وہ یاد آجاے - مگر وہ ذہن مین نہین آتی

اگر وہ سیر یاد رہی تو ہم اسکو خواب کہتے ہین۔ درحقیقت خواب جو ہمین یاد رہتا ہے وہ قوت حافظہ کا ایک فعل ہے۔ کیونکہ بہت سے واقعات ہم زندگی مین دیکھکر بھول جاتے ہین اسی طرح سونے کی حالت مین ہم سب عالم مثال کی سیر تو ضرور کرتے ہین۔ مگر اس سیر کے واقعات ہمین دماغ کی کمزوری کے سبب سے یاد نہین رہتے اگر ہم اپنے دماغ کو اس طرح تربیت کرین کہ وہ عالم مثال کی سیر کو بجنسہ یاد رکھا کرے تو ہمین وہان کے کھیل تماشے اور واقعات سب کے سب یاد رہین گے۔ اور اگر ہم اپنے ادراک یا آگاہی کو اس قدر وسیع کرین کہ وہ عالم مثال تک کی خبر لاسے۔ تو اس وقت یہ کہا جائے گا کہ ہم پر عالم مثال کھل گیا اور ہماری رسائی اس غیرمری عالم تک ہوگئی۔ عالم مثال کے دیکھنے کی قوت ہر شخص مین موجود ہے۔ صرف تعلیم و تربیت ہی کی ضرورت ہے جو کامل پیر کی نگرانی مین ہی حاصل ہو سکتی ہے ناقص استاد یا پیر مریدون کے قوائے دماغی اور جسمانی ہی کو برباد نہین کرتے بلکہ ان کی اصلی قابلیت بھی خراب کر دیتے ہین

اس زمانہ مین مرشدون کی تو کوئی کمی نہین۔ مگر اس بات کا دریافت کرنا عوام الناس کے لئے البتہ دشوار ہے کہ ان مین سے کتنے مرشدون کی رسائی عالم مثال تک ہے۔

فصل ۲۔ ہم عالم مثال کو اپنی آنکھوں سے کیوں نہیں دیکھتے

ہمارے اور عالم مثال کے درمیان پردہ یا حجاب

جب ہم کو معلوم ہو جاتا ہے کہ واقعی عالم مثال موجود ہے۔ اور ہم رات کو روزانہ سو نے کے بعد اس کی سیر کرتے ہین اور ہمکو وہان کے واقعات اس لئے یاد نہین رہتے کہ ہمارا دماغ اُنکے یاد رکھنے کی صلاحیت نہین رکھتا اور ہمارے دماغ اور اعصاب مین انکے احساس کی قوت پیدا نہین ہوئی۔ تو اس وقت ہمارے اور عالم مثال کے درمیان مین جو پردہ حائل ہے وہ مکڑی کے جالہ سے زیادہ وقعت نہین رکھتا۔ اور ہم اس وقت اس حجاب کو بہت جلد دور کردینا چاہتے ہین اور اس کے اُٹھا دینے کی کوشش مین مصروف ہو جاتے ہین۔ تاکہ ہم بیداری مین بھی اپنے ان ہوش و حواس کے ساتھ بھی اس عالم کی سیر کرین۔ مگر ہمین اس بات کا لحاظ رکھنا چاہیئے کہ طلب علم کی خواہش شدید کی وجہ سے ہمین کہین مشکلات اور ناقابل برداشت دشواریون کا سامنا کرنا نہ پڑے۔ عام لوگون کی نظرون سے جو عالم مثال پوشیدہ رکھا گیا ہے۔ تو اسکی کوئی معقول وجہ ضرور ہے کیونکہ خداوندتعالیٰ کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہین جیساکہ قران شریف مین فرمایا گیا ہے کہ اللہ عزیز و حکیم یعنی خدا قوت والا اللہ حکمت والا ہے

کیونکہ اس حکیم مطلق نے اصول فطرت قائم فرمائے ہین اور وہ بڑی عقلمندی اور حکمت سے ان کی نگرانی کرتا اور انہین برقرار رکھتا ہے۔

ایک مرتبہ میرا ایک لڑکا میرے پاس ایک کنول کا پہول لایا۔ وہ ابھی کھلنا جاتا تھا اور اس کے اندر کی خوبصورتی ظاہر ہونے لگی تھی۔ مین نے اس سے کہاکہ اس تازے پہول کو پانی مین رکہو۔ مین ہواخوری سے واپس آتا ہون۔ اس نادان لڑکے نے ہاتھ سے اس نیم وا پہول کی پنکہڑیون کو کہولدیا اور اس کے کہلنے اور اندرونی خوبصورتی کے دیکھنے مین بہت جلدی کی۔ جب مین باہر سے گہر مین واپس آیا تو مین نے دیکہاکہ وہ پہول باوجود پانی مین رہنے کے بالکل مرجھا گیا تھا اور بعض پنکہڑیان پژمردہ ہوکر گر بھی گئی تھین۔ اگر ہم بھی اپنے قواے دماغی یا دل پر جو کنول کے پہول کی طرح ہے۔ عالم مثال کو بزور کہولنے کے لئے حد سے زیادہ بار ڈالین گے اور حجاب کے دور کرنے مین بہت جلدی کرینگے اور ایسے طریقون اور اشغال کو عمل مین لائین گے جو عقل سے بعید ہین تو ہماری وہ دماغی قوتین بھی اسی کنول کے پہول کی پنکہڑیون کی طرح جو بزور کہولا گیا تھا پژمردہ اور کمزور ہو جائینگی جن سے ہم عالم مثال کی سیر کرتے ہین۔ یہ کوئی عقل کی بات نہین کہ ہم قواے دماغی اور نازک اعصاب پر ایک بھاری بوجھ رکھدین

جس سے وہ دبکر خراب ہو جائین۔ ناواجبی اور غیر اصول کوشش اور سعی اور حد اعتدال سے زیادہ بار ڈالنے سے دماغ اور اعصاب کی بعض نازک ساخت بگڑ جاتی ہے اور دل اور دماغ عمر بھر کے لئے خراب ہو جاتے ہین۔ اس سے پہلے کہ ہم عالم مثال کے بزور کھولنے مین سعی بلیغ کرین ہمین یہ زیبا ہے کہ ہم اس عالم اور اسکے کھولنے کے طریقون سے متعلق کتابون اور مرشدون سے صحیح معلومات حاصل کرین اور پہلے ان اصول اور طریقون کو اچھی طرح سمجھ لین جن سے عالم مثال کھل سکتا ہے اوس کے بعد مجاہدے اور ریاضت شاقہ مین مصروف ہون۔ ورنہ فائدہ کے عوض نقصان اٹھانا پڑے گا۔

اس زمانہ مین عوام الناس اس غلط فہمی مین مبتلا ہین کہ علم تصوف اور فلسفہ الہیات کی کتابون کے پڑھنے سے کوئی فائدہ نہین۔ صرف ذکر و شغل اور مجاہدے اور ریاضت ہی سے ہم عالم آخرت مین داخل ہو سکتے ہین۔ علم تصوف کی یہ ساری کتابین اور لیکچر بیکار ہین اور اس عدم علم اور اس جہل مطلق کا نتیجہ یہ ہے کہ اول تو صدہا جاہل اشخاص صرف روٹی کمانے کے لئے چند تصوف کی باتین اور بعض اذکار طوطے کی طرح سیکھ کر مرشد بن بیٹھتے ہین اور پیری مریدی کا بازار گرم کرتے ہین اور لوگون سے نذرانے لیتے ہین۔
ان کے مریدون کی حالت یہ ہے کہ وہ معمولی اخلاق اور اکتساب

اعمال صالحہ سے بھی بے بہرہ ہوتے ہین - بعض پیر لوگون سے بیعت لیکر اپنے شجرے انکے ہاتھ بڑی قیمتون پر فروخت کرتے ہین جس سے ایک معقول آمدنی ہوتی ہے اور اس شجرے یا نسب نامہ کو یاد کرنے اور روز پڑھنے کا شغل بتاتے ہین جس سے بجز تضیع اوقات کے اور کچھ حاصل نہین - بعض پیر جنھین عالم مثال نہین کھلا وہ دوسرون کو اس کے کھولنے کے عجیب و غریب ناقص طریقے بتاتے ہین جن سے کوئی زیادہ فائدہ نہین اور جب کوئی مرید غلبہ شوق مین انہین حد اعتدال سے زیادہ کرنے لگتا ہے کیونکہ اکثر مریدون کو رات دن ان اشغال کے جاری رکھنے کی ہدایت فرمائی جاتی ہے تو اکثر اعضاے جسمانی مین خلل آجاتا ہے اور مرید مایوس ہوکر ان اذکار یا اشغال کو ترک کر دیتا ہے - بعض لوگ اسی وجہ سے تھکے ہوئے معلوم ہوتے ہین اور اکثر مختلف اوہام اور خبط مین گرفتار پائے جاتے ہین - یہ سب انہین جاہل پیرون کا طفیل ہے جو خود کسی بات کو نہ جان کر دوسرون پر عالم آخرت کھولدینے کے مدعی ہوتے ہین

بعض جاہل پیرون نے یہ شیوہ اختیار کیا ہے کہ اعتراض یا کسی مسئلہ تصوف کے پوچھنے پر خفا ہو جاتے ہین اور طالب کو بحث کرنے سے روک دیتے ہین تاکہ اُن کی جہالت اور عدم واقفیت لوگون کو معلوم نہ ہو جائے حالانکہ سب سے پہلے مرشد کامل کا فرض یہ ہے کہ وہ لوگون کو مسائل تصوف کی تعلیم کرے اور انہین ذکر شغل کے فوائد

سمجھائے۔ بعض پیر معمولی باتونکو جو آجکل تمام اردو اور فارسی کتابون
مین درج ہین اسرار مخفی ظاہر کرکے مریدون کو تنہا مقام مین بتاتے ہین
اور پھر یہ بھی کہتے ہین کہ یہ اسرار مخفی سینہ بسینہ پہنچے ہین انہین کسی پر
ظاہر نہ کرنا۔

الغرض پیرون اور مریدون دونو کی عدم واقفیت سے آج کل اکثر
خراب نتائج پیدا ہوتے ہین اور لوگ عالم مثال تک ترقی کرنے سے
محروم رہتے ہین۔ ہان بسنتی کپڑے پہننے مجالس سمع مین رقص کرنے
اور دو چار اشعار کی مہمل اور وہمی تاویلین کرنے کی تو البتہ لیاقت حاصل
ہو جاتی ہے جنہین جاہل مریدین سن کر عش عش کرتے ہین۔ یہ بہت
ہی کم دیکھا جاتا ہے کہ کہین مستند کتب تصوف کا درس ہو اور قرآن شریف
کے اسرار معنوی بیان کیئے جائین جو دراصل فلسفہ تصوف ہے۔ اس لیئے
ہمین اس بات کے بیان کرنے مین ذرا بھی باک نہین کہ بغیر مطالعہ کتب
تصوف اور صحبت پیر کامل کے کوئی باطنی انکشاف کا ہونا نہایت ہی دشوار
ہے۔ کسی شخص کو زیبا نہین کہ وہ عالم مثال کے کھولنے پر عجلت کی
ساتھ زور دے اور حد سے زیادہ محنت اُٹھائے جو موجب خوف
و نقصان ہے۔

خوفناک مضامین اور کتابین

یہ مناسب نہین کہ ہم ہر ایک ہدایت اور طریقہ اشغال پر عمل کرنے لگین

جو کتابون مین درج ہین۔ کیونکہ بہت سی چھپی ہوئی کتابین ایسی شایع ہوتی ہین جن کے مصنف اور مولف فن تصوف سے ناواقف ہین۔ اور جن کی ہدایتین خوف اور ضرر سے خالی نہین۔ اس زمانہ مین بھی گزشتہ زمانہ کی طرح لوگ روحانی ترقی کی طرف اکثر مائل ہین۔ اور عام میلان کی وجہ سے عام طور پر خواہ وہ علم تصوف سے واقف ہون یا اس سے مطلق جاہل ہون ایسی کتابین طبع کر کے شایع کرتی ہین۔ جن مین اکثر مشتبہ عبارتین اور ناقابل اعتبار معلومات درج ہین۔ بعض تصوف کی کتابین تو ایسی ناسمجھی سے ترجمہ کی گئین یا لکھی گئی ہین کہ ان کا مطلب بھی سمجھ مین نہین آتا۔

مسئلہ تو کچھ ہے اور مولف یا مترجم صاحب لکھ کچھ رہے ہین۔ بعض کتابین عوام الناس کو ہدایت کرنے کے لئے نہین لکھی جاتی ہین بلکہ روپیہ پیدا کرنے اور لوگون کی اس خواہش کے پورا کرنے کے لئے بنائی جاتی ہین۔ جو ان کے دلون مین عالم آخرت کی نسبت پیدا ہوئی ہے۔

ان کتابون کے مصنف ان مین وہ معلومات اور اشغال لکھتے ہین جن سے یا تو وہ خود ہی ناواقف ہین یا ان کے خوفناک ہونے یا لوگون کو ضرر مین ڈالنے کی وہ ذرا بھی پروا نہین کرتے۔ ان کتابون کی اشاعت سے ان کا مقصد صرف اتنا ہی ہے کہ ان کی کتابین فروخت ہون اور کچھ قلیل نفع ہاتھ آئے۔ مردہ

چاہے جنت مین جائے یا دوزخ مین انہین اپنے حلوے مانڈے سے کام ۔ لوگ تصوف کی کتابین سمجھین یا نہ سمجھین یا غلط فہمیون مین پڑین ۔ انہین ترجمہ کرنے یا لکھنے سے غرض ہے ۔

بعض اشغال اور ریاضت کتابون مین ایسے درج ہوتے ہین جو معمے اور چیستان سے زیادہ وقعت نہین رکہتے ۔ اور بغیر استاد کے سمجہانے کے کوئی انہین ازخود نہین سمجہ سکتا ۔ اکثر علم تصوف کی عمدہ کتابین بھی اس نقص سے خالی نہین ۔

اسکے علاوہ آجکل عربی اور فارسی زبانون کی تعلیم اور تعلّم کا رواج کم ہوگیا ہے اور روز بروز کم ہوتا جاتا ہے ۔ اسلئے ضرور ہے کہ ان مستند کتابون کے مطالب سہل اور سلیس اردو زبان مین بیان کئے جائین جو اس زمانہ کی رائج الوقت لسان ہے ۔ مگر ان کتابون کے ترجمہ مین بھی اور دقتین پیش آتی ہین جو مترجمین کی عدم واقفیت سے پیدا ہوتی ہین ۔ اسلئے ہر ایک مستند کتاب کو خواہ وہ اردو مین ہو یا فارسی اور عربی مین کسی باعمل صوفی سے پڑہنا چاہیئے جو عالم آخرت سے باخبر ہو اور جو ان کتابون کے مطلب کو بخوبی ذہن نشین کراسکے ۔ اس تدبیر سے لوگ جو اس راہ مین قدم رکھنا چاہتے ہین اس کی دشوار گزار گھاٹیون اور مضرت رسان سد راہون سے محفوظ رہ سکتے ہین ۔

جب کوئی آتشبازی کا گولا بنانا چاہتا ہے ۔ تو پہلے اس کے

خوفناک مصالحہ اور اجزا سے واقفیت حاصل کرتا ہے ۔ اور بہت کم کوئی نادان آدمی ایسا ملے گا جو باروت اور پھٹنے والی اشیار کو بغیر جانے بوجھے ترکیب دینے لگے ۔ عقلمند آدمی سب سے پہلے جو کچھ مستند کتابین اس مضمون مین لکھی گئی ہین انہین بغور مطالعہ کرے گا اور یہ دیکھے گا کہ اس بارہ مین کون مستند مصنف ہے جسکی تصنیفات سے فائدہ اُٹھانا چاہیئے ۔ وہ کبھی امداد بند اس خوفناک اشیار کو ہاتھہ نہ لگائے گا ۔ مگر اس کی کوئی وجہ نہین معلوم ہوتی کہ لوگ عام پیرون کے ہاتھ پر محض شہرت خاندانی کی وجہ سے بغیر سوچے سمجھے کیون بیعت کرلیتے ہین اور وہ یہ نہین دریافت کرتے کہ آیا اسکو بھی کوئی ذاتی علم اور تجربہ حاصل ہے ۔ یا نہین ۔ اس بارے مین وہ نہ تو کسی واقف کار سے رائے لیتے ہین اور نہ کسی عملی کتاب سے مدد طلب کرتے ہین ۔ قبل اسکے کہ انہین تصوف کے سیدھے سادے مسئلے معلوم ہون ۔ وہ عالم مثال کے کھولنے اور اس پیچیدہ اور پرخوف گھاٹی کو طے کرنے کے لیئے آمادہ ہوتے ہین اور اپنی رائے اور وہم پہ پورا وثوق رکھتے ہین ۔ بجز عدم واقفیت اور جہالت کے اس نادانی اور خودرائی کا اور کوئی سبب معلوم نہین ہوتا ۔ یہی سبب ہے کہ ان ملکون مین اکثر اشخاص مخبوط اور مجنون پائے جاتے ہین جنھین لوگ نافہمی سے مجاذیب کہتے ہین ۔ حالانکہ غلط اکتساب اور ناقص معلومات سے ان کے قوائے دماغی مین فتور

پیدا ہو گیا ہے۔

عقل سلیم اور عام فہمی سے کام لینا چاہیئے

عالم مثال کے کاروبار مین بھی ہمین اپنی عقل اور فہم سے کام لینا چاہیئے جس سے ہم دینوی معاملات مین کام لیا کرتے ہین۔ عالم مثال کے کسی واقعہ کو اسی طرح عقل و فہم سے سمجھنا چاہیئے اور اس کو اسی طرح فہم و فراست سے جانچنا چاہیئے جیسے کہ ہم ایک خط کی مضمون یا ایک مقدمہ عدالتی کو جانچتے ہین۔ کوئی وجہ نہین ہے کہ ہم ان واقعات غیبی مین خوش اعتقادی اور بے عقلی کے تابع ہو جائین اور جو کچھ ہم دیکھین اس کی صداقت پر عزت و تعظیم سے سر جھکا دین۔ برخلاف اس کے ہمین چاہیئے کہ ہم اپنے عالم مثال کے تجربہ اور مشاہدے کی اچھی طرح جانچ اور پرتال کرین اور جو کچھ قواے عقلی خدا نے ہمین دے ہین ان سے یہان بھی پورے طور سے کام لین۔

ہمین معلوم ہے کہ بہت سے فہمیدہ اشخاص اس کٹھن راہ مین وہم و خیال مین پڑ کر خراب اور تباہ ہوئے ہین اور ان کی سمجھ بوجھ اور ذہانت اور متانت اور قوت فکر بگڑ گئی ہے۔ وہ اپنے معمولی خواب کو ایک عجیب و غریب واقعہ خیال کرنے لگے ہین اور اپنے ہی وہم و خیال کی کارروائیون کو شیاطین اور جنات

کے اثرات تصور کرنے لگے ہین - وہ انتہا درجہ کے وہمی اور خیالی آدمی ہوگئے ہین اور بات بات مین ارواح خبیثہ اور جادو ٹونے سے ڈرنے لگے ہین اور اپنے ذہن مین یہ بھی خیال کرتے ہین کہ اولیاء اللہ یا رسولون کی ارواح انہین تعلیم دیتی ہے اور وہمی اور خیالی آوازون کو وہ فرشتون کی آوازین جانتے ہین - ایسے بگڑے ہوئے سالکین کو از سر نو راہ پر لانے کے لئے ایک عرصہ دراز کی ضرورت ہوتی ہے اور مرشد کامل ہی انہین دوبارہ راہ راست پر لاسکتا ہے اور انہین یہ باور کراسکتا ہے کہ اپنی لیاقت سے زیادہ اپنے آپکو تصور نہین کرنا چاہیئے -

من عرف نفسہ فقد عرف ربہ

خود شناسی اور خدا شناسی کے بہت سے طریقے اور عمل موجود ہین ان مین سے بعض تو معقول اور بعض نامعقول ہین - یعنی اکثر فضول اور بے نتیجہ ہین - جو شخص اپنی معرفت حاصل کرنا چاہتا ہے اسپر فرض ہے کہ وہ اُس نصیحت پہ عمل کرے جو سقراط حکیم نے اپنے شاگردون کو دی تھی - اور جو ایک یونانی مندر کے دروازہ پر کندہ ہے جسکو ڈیلفی کہتے ہین - وہ نصیحت یہ ہے کہ "اے انسان تو آپکو پہچان"

اس بات کو قرآن شریف مین بھی جابجا بیان فرمایا گیا ہے

چنانچہ ایک جگہ لکھا ہے کہ وفی انفسکم افلا تبصرون۔ اور تم اپنے آپ مین کیون نہین دیکھتے۔ اس سے یہ مطلب ہے کہ خودشناسی سے خداشناسی حاصل ہوتی ہے۔

مگر خودشناسی کوئی سہل بات نہین۔ اس کے لئے برسون کی محنت اور ریاضت درکار ہے مدتون آدمی جب دل کو دنیاوی افکار سے خالی کرکے تنہائی مین بیٹھتا اور مراقبہ کرتا ہے۔ تب اسکو کبھی خودشناسی حاصل ہوتی ہے۔ جب کوئی خدا کی راہ مین بے غرض مخلوق کی کوئی خدمت اختیار کرتا ہے اور اس کو اپنا فرض منصبی جان کر برسون انجام دیتا ہے تو اس وقت اسکو اس اعلیٰ مقصد کے حاصل کرنے مین کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ جب ہم دوسرون کی محنت اور بے غرض خدمت کرتے اور انہین فائدے پہونچاتے ہین۔ تو اس وقت ہمارے دل مین نورِ حق پیدا ہوتا ہے اور ہماری اندرونی قوتین ترقی کرتی ہین۔ انسان کی فطرت بہت گہری ہے جسکا امتحان ہم نے کبھی نہین کیا۔ اس کی قوتین پوشیدہ اور مخفی ہین۔ جن سے ہم ناواقف ہین۔ اسکے قواے روحانی اور نفسانی کا دائرہ بہت ہی وسیع ہے جسکا ہمین کافی ادراک نہین۔ ہم ایسے مدارج اور عالمون تک ترقی کرسکتے ہین جن کے وجود کا علم بھی ہمکو نہین گو عوام الناس خودشناسی کے حصول مین عاجز ہین۔ مگر سالکین راہ خدا خودشناسی کی تمام منزلون کو طے کرتے ہین اور زندگی کے اعلےٰ

اسے علائے مقصود تک پہونچتے ہیں جس شخص کو یہ دربے بہا خودشناسی ہاتھ آیا جو اس دنیا میں بار بار آنے جانے کا ال کار ہا آخری نتیجہ ہے تو اسکو مقصود حیات حاصل ہوا اور وہ سعادت دینوی و اخروی سے عروج یعنی معراج معرفت کے آخری مقام پر پہنچ گیا۔

قبل از وقت عالم مثال کا کھلنا

عوام الناس پر عالم مثال جو نہیں کھلا ہے تو اس میں بھی خداوند تعالی کی بڑی حکمت ہے۔ اگر کسی دنیا دار آدمی پر دفعتاً عالم مثال کھولدیا جاے اور اس عالم کے قوی اثرات اسکے ضعیف دل پر ایکبارگی پڑنے لگیں تو یہ آدمی کسی کام کا نہ رہے گا اور اسکی قیمتی زندگی خراب ہو جاے گی۔ حق تعالی الحکیم اور قدیر ہے۔ اگر اسکے احکام اور قوانین قدرت کی پیروی کیجاے گی تو وہ ہمکو اس عالم میں اُس وقت تک داخل ہونے کی اجازت نہ دیگا۔ جب تک ہم اس عالم کے اثرات اور کششوں کے برداشت و تحمل کی پوری قابلیت نہ رکھیں گے۔ قابلیت پیدا ہونے سے پہلے عالم مثال کے کھلنے کی خواہش کرنی خوف و مضرت سے خالی نہیں اگر کوئی شخص کسی ناواقف پیر کی راے سے عالم مثال کو بزور اور قابلیت سے پہلے کھولنے اور اس میں داخل ہونے کی حد اعتدال سے زیادہ سعی و کوشش کرے گا تو ضرور اپنی موجودہ زندگی کو خراب کرے گا اور کسی قسم کی آفتوں اور سوء المزاجی میں گرفتار ہو جاے گا۔

پہلے ہمین اس عالم ناسوت یا مادی دنیا کے فضائل یعنی ہمت جرأت قوت دماغی یا ارادی۔ بے غرضی۔ پاک نفسی۔ دانائی یا حکمت محبت یا عشق وغیرہ تو حاصل کر لینے چاہیئے۔ تب عالم مثال مین پہنچنے کی خواہش کرنی چاہیئے۔ ابھی تو اس عالم کی یہ خوبیان ہی حاصل نہین ہوئین کہ ہم سیڑہی کے آخری مقام کی کوشش کرنے لگے۔ مصرع

تو کار زمین را نیکو ساختی　　که بر آسمان نیز پر داختی

عالم ناسوت کی سیر سے تو فراغت ہی نہین ہوئی کہ عالم مثال کی طرف دوڑے۔ وہان جا کر کس بات کو تحقیق کرینگے جبکہ اس عالم ہی سے بالفعل جاہل ہین جو لوگ یہ چاہتے ہین کہ ان پر بہت جلد عالم مثال کہلجاے تو ان کی حالت اس سیاح کی سی ہے جو بغیر زاد راہ اور ضروری سامان کے افریقہ کے مقامات وسطی مین گہس جائے۔ جہان سوا ریگستان اور مردم خوار اقوام کے اور کچھ نہین اپنی اس عجلت کا مضر نتیجہ اس وقت معلوم ہوگا جب چارون طرف سے وحشی آدمی اس پہ حملے کرین گے اور وہ ان کی زد کو بچا نہ سکے گا۔ اس سفر اور سیاحت سے تو یہی بہتر تھا کہ وہ اپنے گھر مین آرام سے پڑا رہتا۔ اور اپنی موجودہ قوتون اور اعضا ہی سے فائدہ اٹھاتا۔ اگر ہم نفس کشی۔ صفائی قلب اور اکتساب فضائل ہی کی طرف متوجہ رہین تو یہ اس سے بہتر ہے کہ ہم قابلیت اور تیاری کے پہلے عالم مثال مین داخل ہونے کی سعی بلیغ کرین۔ اور پھر اس محنت اور کوشش مین ناکام رہین۔

عالم مثال کے اثرات

عالم مثال کے خطرات اور پر خوف اثرات مین سے یہ بھی ہے
کہ ایک نا قابل اور نا اہل شخص پر جب عالم مثال کھل جاتا ہے تو اکثر
ارواح خبیثہ جو مرنے کے بعد طبقات اسفل ہین ہین اوسپر حملے کرتی
ہین اور اپنے مختلف اثرات ڈالتی ہین۔ یہ بیچارہ اس وقت ان کے
بُرے اثرون سے اپنے آپکو بچا نہین سکتا۔ دنیا مین تو ہم پولس اور
عدالت کے ذریعہ سے کسی مجرم سخت کی مضرتون سے بچ سکتے ہین
اور اس کی ایذا رسانی سے مچلکہ یا محبس کے توسط سے محفوظ رہ سکتے
ہین۔ مگر ان مجرمین ارواح کی زد سے بچنا سخت دشوار ہے جو مرنے
کے بعد ارتکاب جرائم پر اور بھی دلیر ہو جاتی ہین اور جو ہم سے دور
دراز مقامون پر موت کی وجہ سے چلی نہین جاتین۔ جو اشخاص اس
زندگی مین نیک اور پرہیزگار ہین وہ مرنے کے بعد عالم مثال کے اعلیٰ
طبقون مین رہتے ہین۔ مگر بدکار اور گنہگارون کی روحین اس غیر مرئی عالم
کے اسفل طبقات مین جو اس زمین کے متصل ہین بکثرت پائی جاتی ہین۔
شراب خوار بدمعاش۔ چور اچکے۔ قاتل۔ ڈاکو وغیرہ مجرمین کی ارواح
خبیثہ انہین مقامات مین چکر کاٹتی پھرتی ہین اور ان بدکارون اور ناپاک
لوگون کے اجسام مین داخل ہوتی ہین جو دنیا مین مبتلاے افعال بد ہین
وہ ان مجرمین کے اندر گھس کر انہین جرایم پر اور بھی دلیر کر دیتی ہین۔

اور انہین ہر ایک بد افعالی کے ارتکاب کی تحریص اور ترغیب دیتی ہین
جن اشخاص پر قبل از وقت عالم مثال کھل جاتا ہے وہ ان ارواح
خبیثہ کے اثرات کے اندر آجاتے ہین اور چونکہ ان مین اپنے بچانے
کی پوری قوت نہین ہوتی اس لئے وہ ان اثرات سے موثر ہوجاتے
ہین۔ اس لئے یہ عالم مثال کا کھلنا بعوض فائدہ کے انہین سخت
نقصان اور خوف مین ڈالتا ہے۔ مرشدون کو چاہیئے کہ سالکین کی استعداد
اور قابلیت کے بموجب انہین تعلیم دین ورنہ عالم مثال کے جلد کھلنے مین
سخت خطرہ ہے۔

دوسری وجہ اسکی کہ کیون خداوند تعالی نے عوام الناس مین عالم
مثال کے ملاحظہ کی نظر نہین دی یہ ہے کہ ہمارے اطراف وجوانب ایسی ایک
مخلوق موجود ہے جو ہم سے خلقت مین ناقص ہے اور جسکو ہم جن کہتے
ہین۔ یہ ادنیٰ درجہ کے مخلوق عموماً انسان کے دشمن اور مخالف ہین۔ یہ
جن بھی عالم مثال کے اسفل طبقات مین رہتے ہین اور وہ اس وقت
تک کسی شخص کو نہین ستاتے جب تک کوئی شخص کسی نہ کسی حیثیت
اور حالت سے ان کے قریب نہ ہو۔ اگر کوئی ناقابل شخص عالم مثال
کے کھولنے مین بے اعتدالی اور جلدی کرے گا تو ضرور اسکو اس ادنیٰ
درجہ کے مخلوقات سے سابقہ ہوگا اور وہ ان کی مضرتون سے نقصان
اٹھائے گا۔

ہمین یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ جب ہم پر عالم مثال کھلجاتا ہے۔ تو

ہمارے احساس باطنی بہت تیز ہو جاتے ہین اور ہم اُن خیالات ۔ احساس اور پر جوش خطرات سے آگاہ ہو جاتے ہین جو ہمارے اطراف عالم مثال ہین موجود ہین ۔ واقعی ہم خیالات اور احساس کے اس دریاے عمیق مین غرق ہین جنھین ایک شہر یا مقام کے اشخاص ہر آن آ اپنے دماغون اور دلون سے پیدا کیا کرتے ہین اور ان خیالات کا اثر ہم پر پڑتا تو رہتا ہے ۔ مگر ہم ان اثرات سے واقف نہین ۔ لیکن جب عالم مثال ہم پر کھلنے لگتا ہے تو ان خیالات کا اثر بھی محسوس ہوتا جاتا ہے ۔ اس وقت اگر ہماری قوت ارادی قوی نہ ہوگی اور ہم نفس کشی اور تقوے و طہارت سے اپنے دل کو پاک و صاف نہ رکھین گے ۔ تو ان خیالات اور احساس بد کے اثرات سے زیادہ تر متاثر ہونگے اور پھر ان کے قابو مین آکر نقصان اُٹھائین گے کیونکہ شہرون اور قصبون کے اکثر اشخاص حریص ۔ خود غرض ۔ بے ایمان ۔ جھوٹے ناخداشناس بدلا لینے والے حاسد وغیرہ ہوتے ہین اور ان ناپاک خیالات کا سمندر ہمارے اطراف موجود رہتا ہے ۔ تو ایسی صورت مین جبکہ ہم پر عالم مثال کھلتا ہے یہی نجس خیالات مختلف شکلون اور رنگون مین ہمین دکھائی دیتے ہین ۔ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ کوئی عمدہ خیالات اور خوبصورت اشکال ہمارے سامنے آئین کیونکہ بے غرض محبت اور فائدہ رسانی دنیا مین کمیاب ہے ۔

حفاظت کرنیوالا پردہ

سالکین نے ایک حجاب دریافت کیا ہے جسکی وجہ سے انسان اُن آفتوں سے محفوظ رہتا ہے جو عالم مثال کے بے وقت کھلنے سے پیدا ہوتی ہین۔ یہ پردہ سیدھا سادھا مگر بہت ہی نتیجہ خیز ہے۔

علم برق کے ماہرون کو تجربہ اور مشاہدے سے معلوم ہو چکا ہے کہ جب اُن دو تارون کے سرون پر موم لگا دیا جاتا ہے جن مین برق بھری گئی ہے۔ تو پھر اُن تارون کے سرون کے ملا دینے سے برق کا شعلہ پیدا نہین ہوتا مگر جب ان سرون کا موم دور کردیا جاتا ہے یا کم از کم ان مین ایک سوراخ ہی کردیا جاتا ہے تو فوراً آگ کا شرارہ (چنگاری) نکلنے لگتا ہے۔

قوت برق کی طرح انسان کے اندر بھی اس قوت یا اعضاے مثالی کی حفاظت کی گئی ہے جس سے سالکین پر عالم مثال کا انکشاف ہوتا ہے انسان کے اس جسم کثیف اور لطیف یعنی ایتھرک مین کئی مرکز موجود ہین جو عالم مثال سے اتصال رکھتے ہین۔ یہ مرکز کچھ اس طرح پر ترتیب دئے گئے ہین کہ ایک مثالی مرکز ایک جسمانی یا ایتھریل مرکز سے چپان یا متصل ہے۔ جب مثالی مرکز کا پورا اثر جسمانی مرکز پر پڑتا ہے اور آخر الذکر اول الذکر کے تابع ہو جاتا ہے۔ تو اس وقت آدمی کو عالم مثال کھل جاتا ہے۔ بعض اوقات خاص امراض کی

تکالیف خاص اور مخصوص صدمات اور ذکر و شغل مین نہایت ہی انہماک کے سبب سے بھی عالم مثال دفعتاً کھل جاتا ہے جسکو قبل از وقت کہہ سکتے ہین۔

مگر خداوند تعالے نے اپنی حکمت بالغہ سے ان مثالی اور جسمانی مرکزون کے درمیان مین ایک نہایت ہی باریک اور نازک پردہ قایم کیا ہے۔ جو ایک عالم کے اثرات کو دوسرے عالم مین دفعتاً پہنچنے مین سد راہ ہے اور اس پردے مین سے صرف قوت جان جسکو وائیٹل فورس کہتے ہین گزر سکتی ہے اور دوسری قوتین یا فورس گزر نہین سکتین جیسے کہ شیشہ مین سے صرف شعاعین ہی گزرتی ہین اور دوسرے اثرات مثلاً گرمی وسردی وغیرہ نہین گزر سکتین اگر یہ حجاب جو مثالی اور جسمانی مرکزون کے مابین حائل ہے دور کردیا جائے تو ہر شخص پر عالم مثال کھل سکتا ہے۔ مگر خداوند تعالی کی حکمت اور مہربانی ہے کہ عوام الناس سے یہ حجاب دور نہین کئے جاتے جو اس عالم کے دیکھنے کی قابلیت نہین رکھتے۔

مگر بدقسمتی سے یورپ اور امریکہ مین بعض ایسے طریقہ رائج ہین جن سے عالم مثال بہت جلد کھل جاتا ہے۔ اور وہان چونکہ مرشد کامل کا قحط ہے اسلئے اکثر سالکین مخبوط اور مجنون ہوجاتے ہین اور یہی وجہ ہے کہ آج کل ان ملکون مین پاگلون کی تعداد روز بروز زیادہ ہوتی جاتی ہے ہندوستان مین علم باطن کا اکتساب ہزارون برس سے چلا

آرہا ہے - اور باطنی علوم کے صدہا مرکز یا مقامات جیسے خانقاہیں
مثل تبت اور ہمالیہ کی چوٹیاں وغیرہ اب تک موجود ہیں جہاں بیٹھکر
سالکین راہ طریقت حاصل کرتے ہیں - ہند میں علم باطن کی ترقی
اس درجہ پر پہنچ چکی ہے کہ اب اسکو ایک مکمل اور باضابطہ علم یا سائنس
کہا جاسکتا ہے - علم باطنی اور علی الخصوص عالم مثال کے استحصال
کے جو طریقے یوروپ اور امریکہ میں آجکل رائج ہیں وہ ہرگز خوف و
مضرت سے خالی نہیں -

ہندوستان کے صوفیاے کرام اور مہاتما کبھی ان طریقوں کو پسند
نہیں فرماتے کیونکہ وہ علم باطن کو ایک نہایت ہی اعلے درجہ کی
مفید اور کارآمد چیز جانتے ہیں اور وہ یوروپ اور امریکہ کے اشخاص
کی طرح اُسے ایک تفریح اور کھیل تماشے کی شے خیال نہیں کرتے -
اہل ہند کا خیال یہ ہے کہ یہی علم باطن لایق اشخاص کو بتانے سے
دنیا کو فائدہ کثیر حاصل ہوتے ہیں اور برخلاف اسکے نالایق اور بد باطن
اشخاص کو جب یہی اسرار باطنی تعلیم کئے جاتے ہیں تو دنیا کو بہت
نقصان اور مضرت پہنچتی ہے -

جو پکے صوفی اور سچے مہاتما ہیں وہ خود غرض اور نفس پرست
اشخاص کو اسرار باطنی تعلیم نہیں کرتے - کیونکہ انہیں معلوم ہے - کہ
بچے کے ہاتھ میں تلوار دیدینا کس قدر خطرناک ہے وہ اس خطرناک
آلہ سے صرف دوسروں ہی کو نقصان نہ پہنچاے گا بلکہ اپنے آپکو

بھی ہلاک کریگا۔ نالایق اشخاص کو اسرار مخفی کی تعلیم سے بہت بڑا نقصان یہ عاید ہوتا ہے کہ وہ بیجا طور پر باطنی قوتون سے کام لیتے ہین جسکا نیتجہ یہ ہوتا ہے کہ صدہا سال تک ان کی رفتار ترقی روحانی مین خلل آجاتا ہے۔ اور بجاے ترقی کے وہ غار پستی ہین گرا دیے جاتے ہین۔ اگرکسی لایق اور تجربہ کار مرشد سے باضابطہ اور باقاعدہ راہ سلوک کا طریقہ عملی طور سے سیکھا جاے تو اس مین ذرا بھی کوئی خوف وخطر نہین۔ مگر مرید کو چاہیئے کہ قرآن مجید کے اس فقرے کو ہردم پیش نظر رکھے کہ رابطوا وصابروا یعنی خداوندتعالی کی ساتھ ربط پیدا کرتے جاؤ اور صبر کرو اور اس کی رحمت اور فضل کا امیدوار رہے اور بے غرضی اور محنت کو اپنا شعار بناے۔

فصل ۳ علم اشراق یا دوسرون کی ساتھ باطنی مراسلت

زندون کے ساتھ باطنی تار برقی یعنی روشن ضمیری

جو خیالات یا خطرات ہمارے دل مین گذرتے ہین وہ درحقیقت غیرمرئی دنیا کے مراسلات ہین۔ یہ خیالات خواہ بذاتہ ہمارے ہون یا دوسرون کے سب عالم مثال کی تاربرقیان ہین۔ کیونکہ خیالات اور احساس اسی عالم مین پیدا ہوتے ہین۔ جسطرح بے تار یا وائرلیس ٹیلیگراف

کا تموج چارون طرف جاتا ہے یا ایک سمندر کی موجین ہر طرف پھیلتی ہین - اسی طرح زور دار قلبی تموج بھی ہمارے چارون طرف فضا مین موجین مار رہا ہے - جو کچھ خیالات اور احساس ہمارے اس مادی تقبیل دماغ مین آتے ہین وہ انہین موجون کے حقیقی اثرات ہین جو دماغ تک پہنچنے مین بہت ہلکے پڑ جاتے ہین گویا کہ عالم ملکوت سے جو تار برقی کا صدر اسٹیشن ہے ہمارے دماغ تک ہر آن تار برقیان پہنچا کرتی ہین -

ہر دماغ ایک رسیونگ (تار لینے والی) اسٹیشن ہے جہان عالم ملکوت کی تار برقیان وصول کیجاتی ہین - اس بات سے تو بعض اشخاص بخوبی واقف ہین کہ ایک دل کے خیالات اور احساس دوسرے دل مین منتقل ہو سکتے ہین مگر شاید اس کو بہت ہی کم لوگ جانتے ہونگے کہ جو خیالات ہمارے دل مین گزرتے ہین ان مین سے اکثر دوسرون کے پر جوش خیالات ہین - اس بات کی تمیز بڑی مشکل ہے کہ ہمارے خاص اور ذاتی خیال کون ہین - اور دوسرون کے کون ہین ہمارے اطراف وجوانب کے اشخاص یا ایک شہر کے جم غفیر عوام الناس کے دلون سے متواتر ہمارے دل مین باطنی تار برقی کے ذریعہ سے خیالات اور احساس آیا کرتے ہین - مگر ہم ان خیالات کے اثرات سے جو ہمارے چارون طرف سے ہم پر پڑ رہے ہین ہم اسی طرح سے ناواقف ہین جس طرح کہ کرہ ہوا کے دباؤ سے ناواقف ہین جو ہمارے چارون

طرف سے ہم پر پڑ رہا ہے - چونکہ ایک شہر کے باشندون کی رایون
خیالات اور احساس کا اثر ہر دم باہم ایک دوسرے پر پڑ رہا ہے -
اس سے ہر شہر اور ہر قوم کے خیالات اور احساس ایک خاص قسم
کے ہوتے ہین - اگرچہ ان خیالات اور احساس کے اثرات سے
لوگون کو واقفیت تو نہین - مگر ان کے زور دار ہونے مین بھی کسیکو
کوئی کلام نہین ہوسکتا - کوئی شخص روے زمین پر ایسا نہین ہے -
جو مقامی خیالات اور احساس کے اثرات سے بالکل محفوظ رہے -
اور کچھہ نہ کچھہ اس کے دل مین دوسرون کے خیالات منتقل نہ ہون -
انتقال خیالات اور احساس کے ثبوت تو دنیا مین ہر وقت موجود
ہین - مگر ہم یہان بعض مثالون کو بیان کردینا مناسب جانتے ہین -
ناٹک مین جب کوئی اچھا کھیل کیا جاتا ہے تو تمام تماشہ بین ایکدم سے
تعریفون کے نعرے بلند کرتے ہین اور چارون طرف خوشی کا جوش
پھیلجاتا ہے - فٹ بال - کرکٹ - پولو - ٹورنمنٹون مین عام جوش
حرّے اور چیرز کی شکلون مین نمودار ہوتا ہے - مجالس نغمہ و سرود
مین لوگون کے سرور واہ واہ سے ظاہر ہوتے ہین - ایک کتاب پر
جب اچھی رائے ظاہر کیجاتی ہے تو عام لوگون کے دلون مین اسکی
وقعت اور خریداری کی خواہش پیدا ہوتی ہے - ایک مصور کی
تصویر شارع عام پر دکھانے کی غرض سے رکھی جاتی ہے اُسکے
دیکھنے کے لئے جوق جوق زن و مرد جمع ہو جاتے ہین - ماتم اور عزا

کی مجلس مین عام سٹٹس پڑجاتی ہے اور رونے کی آوازین بلند ہوتی ہین۔ ڈنر یا دعوت مین جب کوئی ماتمی لباس پہنکر یا کالا بازوبند باندہ کر آتا ہے تو سب کے دلون مین غمگین خیالات اوراحساس پیدا ہوجاتے ہین۔ جنازے کے ساتھ جتنے آدمی ہوتے ہین ان سب کے دلون مین مغموم خیالات اوراحساس پاسے جاتے ہین جب کوئی عضہ ور ہمارے قریب ہوتا ہے تو ہمارے دلون مین بھی وحشت ناک خطرات گزرتے ہین۔ ان تمام مواقع پر فی الواقع ہمارے دلون مین دوسرون کے خیالات اوراحساس منتقل ہوتے ہین۔ اور ہم بھی اُن سے متاثر ہوجاتے ہین۔ باطنی تاربرقی کی یہ بین مثالین ہین جن کی تکذیب کی کوئی بھی جرارت نہین کرسکتا۔

انتقال خیالات و احساس سے بچنے کی معقول تدبیر

یہ بات تو بخوبی سمجھ مین آگئی کہ اکثر ہماری خوشی اور رنج دوسرے اشخاص کی خوشی اور رنج کے پرتو یا عکس ہین جو ہمارے اطراف و جوانب موجود ہین یا جن کی صحبتون مین ہم دن رات اُٹھتے بیٹھتے ہین یا جن سے ہمین گہرا تعلق ہے۔ تو اب یہان پہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم ان واہی خیالات اور تکلیف دہ احساس سے کیون کر نجات پاسکتے ہین اس سوال کا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ ان غمگین احساس اور خیالات کا دور کرنا کوئی بڑی مشکل بات نہین۔ جب وہ

تمہارے دل مین گزرین تو تم انہین دور کر دیا کرو۔ اور اپنے دل مین یہ کہا کرو:۔ یہ ہمارے خیالات اور احساس نہین ہین۔ ہمین کوئی وجہ نہین کہ ہم ناخوش اور رنجیدہ ہون ہمکو نہین چاہیئے کہ ہم ان خیالات کو اپنے اوپر قابو دین۔ چلے جاؤ ہمین تم سے کوئی سروکار نہین۔ ہمارے اندر خدا کا نور ہے جو سرور اور خوشی کا پرتو ڈالتا ہے۔ ہم محبت اور خدا کی شناخت کے لیئے پیدا کیئے گئے ہین۔

بُرے خیالات اور تکلیف وہ احساس کے دور کرنے کا سب سے سہل طریقہ یہ ہے کہ جب انسان کے دل مین غم اور غصہ کے خیالات اور احساس پیدا ہون تو اسکو چاہیئے کہ دل مین خدا کا ذکر کرے یا نماز پر کھڑا ہو جاوے یا تسبیح پھیرے۔ بزرگان دین نے وسواس اور خطرات سے بچنے کے لیئے بعض اشغال اور اذکار تراشے ہین جو دلون کو بُرے خیالات سے محفوظ رکھتے ہین اگر کوئی شخص اپنے دل کو ان عام ناپاک خیالات سے بچانا چاہتا ہے جن کی سمندر مین وہ ڈوبا ہوا ہے تو اسکو چاہیئے کہ کسی مرشد سے ذکر اور شغل کا طریقہ یا مراقبہ سیکھ لے ان تیر بہدف تدابیر سے وہ ان باطنی آفات سے محفوظ ہو جائیگا جو ہمارے دل پر ہر دم بجلی کی طرح گراتی ہین۔

مردون کے ساتھ باطنی مراسلت باہمی گفتگو

جسطرح زندون کے خیالات اور احساس ہمارے دلون مین منتقل ہوتے

ہین۔ اسی طرح مردون کے خیالات اور احساس بھی ہمارے دلون
مین آتے ہین کیونکہ قالب عنصری یا جسمانی کے چلے جانے سے
دل مین کوئی نقص نہین آتا۔ اور مرے ہوے کا دل ویسا ہی قایم
رہتا ہے۔ دل سے مراد وہ گوشت کا لوتھڑا نہین ہے جو بائین
جانب متحرک معلوم ہوتا ہے بلکہ دل سے مراد وہ لطیفہ ربانی ہے جو
سوچتا اور سمجھتا ہے یعنی مردون کے سوچنے سمجھنے اور ادراک کرنے
کی قوتون مین مرنے سے کوئی فتور پیدا نہین ہوتا۔

اگر ہم اس مسئلہ کو بخوبی سمجھنا چاہتے ہین کہ مردون کے ساتھ
بھی ہماری باطنی مراسلت قایم ہوئی ہے تو پہلے ہمین اس بات
کو باور کر لینا چاہیئے کہ جب آدمی مرجاتا ہے تو وہ ہم سے دفعتاً جدا
نہین ہوتا۔ یعنی مردے ایک مدت تک اپنے دوستون اور احباب
سے قطع تعلق نہین کرتے۔

اگرچہ ہم اس کو ان اپنی ظاہر آنکھون سے نہین دیکھتے۔ کیونکہ جو
عالم مین وہ مرنے کے بعد ہوتا ہے اس کا مادہ اس قدر لطیف ہے
کہ اس پر آفتاب کی شعاع پڑکر ہم تک نہین آتین تاہم وہ مردہ
ہمین اچھی طرح سے مرنے کے کچھ عرصہ بعد تک دیکھتا ہے
اور یہ عرصہ جب تک وہ ہم کو دیکھ سکتا ہے تخمیناً کئی سال کا ہوتا
ہے۔ یعنی اس وقت تک وہ ہمین دیکھتا اور ہماری باتین سنتا
رہتا ہے جب تک کہ وہ عالم مثال مین رہتا ہے۔ جب وہ اس

عالم سے اوپر چلا جاتا ہے یعنی جب عالم ارواح مین پہنچتا ہے۔
تو یہ تعلقات قطع ہو جاتے ہین۔ مگر مرنے کے بعد وہ ایک زمانہ
تک ہمارے رنج وخوشی اور بہبودی اور تباہی سے دلچسپی رکھتا
ہے۔ اور ہمارا شریک حال رہتا ہے۔ جیساکہ وہ مرنے کے پہلے
رہ چکا ہے۔

اس مین کوئی شک وشبہ نہین کہ ہم رات کو ہر روز جبکہ ہم سو
جاتے ہین اپنے مرے ہوئے دوستون سے اسی طرح تبادلہ خیالات
کرتے ہین جیسے کہ ہم حالت زندگی مین ان سے کیا کرتے تھے۔
بلکہ جاگنے کی حالت مین بھی ہمارے محبت آمیز خیالات ان تک
پہنچتے ہین اور انکے خیالات اور احساس ہمارے دلون تک آتے
ہین۔ جیسے کہ ہمارے پڑوسیون اور گھر والون کے خیالات ہمارے
دل مین منتقل ہوتے ہین ویسے ہی مردون کے خیالات اور احساس
بھی ہمارے دلون مین آیا کرتے ہین۔ اسی طرح اکثر خیالات
عالم مثال سے ہمارے دلون مین پہنچتے رہتے ہین اور وہان کے
لوگون سے باطنی مراسلت اور گفتگو قایم ہے۔ مگر ہم اس سچی بات سے
محض ناواقف ہین۔

الہام واردات اور القا

بعض اوقات ایک پرجوش مقرر ایک جلسہ مین تقریر کرتا ہے جہان ہم تن

گوش سامعین جمع ہوتے ہین۔ اور اپنی جادو بیانی سے اہل مجلس
پر اثر ڈالنے کی سخت کوشش کرتا ہے۔ اسوقت اس کا یہ دلی جوش و
خروش کبھی کبھی ایک نہایت ہی لایق شخص کے خیالات کو اپنی طرف
کھینچ لیتا ہے جو ایک گوشہ مین بیٹھا ہوا اسی مضمون کو سوچ رہا ہے
جسکو یہ مقرر اس وقت مجمع مین بیان کر رہا ہے۔ مگر مقرر کی بہ نسبت اس
لائق شخص کا مقام اعلے ہے اور وہ اس وقت مثلاً عالم روح مین کام
کر رہا ہے اور یہ مقرر عالم ناسوت مین تقریر دے رہا ہے اس لئے
اس لائق شخص کے خیالات اور احساس بوجہ کشش جذب کے
مقرر کے دماغ مین آنے لگے ہین اور وہ اس وقت اپنی تقریر مین
ایسے ایسے نکات اور مضامین بیان کر رہا ہے۔ جو اسکی استعداد
اور قابلیت سے باہر ہے اور جنھین سامعین کے کانون نے کبھی
نہین سنا۔ اس وقت مقرر کی زبان سے وہ وہ فصیح الفاظ اور چُست
جملے نکل رہے ہین جن کے سننے سے لوگون کو حیرت اور تعجب ہے
ایسے موقع پر کہا جاتا ہے کہ یہ الہامی تقریر ہے۔ مگر لوگ اس کی اصلی
وجہ کو نہین جانتے۔ تھوڑی دیر کے لئے اسکا دماغ ایک فونوگراف
کا آلہ ہوگیا ہے اور اس لایق شخص کے پر زور خیالات اس کے
ذریعہ سے ظاہر ہو رہے ہین جو عالم روح مین اس وقت کام کر رہا ہے
اس موقع پر ایک اور روایت کا ذکر نامناسب نہ ہوگا۔ اور وہ یہ ہے
کہ ایک دفعہ کوئی واعظ ایک مجلس مین وعظ کر رہا تھا۔ اور اس کے

بیان اور مضمون پر لوگ عش عش کر رہے تھے۔ وہان ایک نامی گرامی
مرشد یا پیر بھی موجود تھے۔ ان کے کسی مرید نے حضرت کے کان
مین کہا کہ واعظ اپنی استعداد اور لیاقت سے زیادہ اس وقت نکات
بیان کر رہا ہے۔ پیر نے کہا کہ یہ مال اس کا نہین ہے کسی دوسرے
کا ہے۔ مگر اس کی زبان سے صاحب مال کا فیض جاری ہو رہا ہے۔
اور وہ شخص اسی مجلس مین موجود ہے۔ مرید نے تعجب سے کہا کہ اسکا
ثبوت کیا ہے۔ مرشد نے کہا کہ لو ابھی اس کا فیضان بند ہوا جاتا ہے
پھر تم دیکھنا کہ اس کی زبان سے یہ باتین نہ نکلین گی۔ یہ کہہ کر مرشد نے
تھوڑا سکوت کیا اور واعظ کی ساری فصاحت و بلاغت ایک دم سے
روانہ ہو گئی۔ اب نہ وہ عالی مضامین ہین اور نہ وہ فصیح الفاظ۔ لاکھہ
لاکھہ کوشش کرتا ہے۔ مگر ایک جملہ بھی پہلے کی طرح سے نہین نکلتا
آخر کار واعظ منبر سے نیچے اتر آیا۔ اور مرشد نے اپنے مرید سے کہا کہ
اس وقت اس واعظ کے جوش نے اس عالی خیال شخص کو متوجہ
کر لیا تھا جو عالم ارواح مین کام کر رہا تھا۔ اور یہ قیمتی خیالات اور فصیح
الفاظ اسی کا مال تھے۔ اب اس کی توجہ واعظ کی طرف سے اٹھہ
گئی۔ اور واعظ کی اس قدر استعداد نہین ہو خود ایسے خیالات
پیدا کرے۔

جب کسی مقرر کا جوش و خروش اثناے تقریر مین کسی عالی خیال
شخص کے خیالات کو کشش جذب سے کھینچتا ہے تو اس وقت

دفعتاً اسکے دل مین خیالات اعلےٰ آنے لگتے ہین جنھین وہ فصیح اور بلیغ الفاظ اور جملون مین نذر ناظرین کرتا ہے اور سامعین اس کی فصاحت و بلاغت پر عش عش کرتے ہین اور اس کے عالی خیالات اور سحر بیانی کی داد دیتے ہین۔

درحقیقت یہ خیالات الہام اور واردات کہے جاسکتے ہین۔ جو عالم ارواح سے اتر کر مقرر کے دماغ کے ذریعہ سے ظاہر ہوتے ہین خواہ وہ خیالات عالی کسی زندہ کے ہون یا مردہ کے۔ بہر حال یہ ایک قسم کا الہام واردات اور القا ضرور ہے۔

خود بخود لکھا جانا اور تصویر کھینچنا

ارواح ہمارے دماغون مین صرف خیالات ہی نہین ڈالتین۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ کبھی ان کا ظہور ہو جاتا ہے۔ وہ کسی کے ہاتھ پر بھی قبضہ کرسکتی ہین اور جو چاہین اسکے ہاتھ سے لکھوا اور کھنچوا سکتی ہین۔ اور یہ عمل دماغ کے ان مرکزون کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے جو عالم مثال سے تعلق رکھتے ہین۔ اسکو خود بخود لکھے جانا کہتے ہین۔ اور روحانی اشخاص کے دائرہ مین ایسے واقعات معمولی شمار کئے جاتے ہین اور عوام الناس بھی اکثر ایسے واقعات مشاہدہ کرتے رہتے ہین۔ جب کوئی روح کسی شخص کے ہاتھ پر قابض اور متصرف ہوتی ہے تو ہاتھ اصلی شخص کے اختیار مین نہین ہوتا اور وہ شخص جسپر روح آتی ہے یہ نہین

جانتا کہ مین کیا لکھ رہا ہون اور کیا کھینچ رہا ہون - جو کچھ وہ روح چاہتی ہے اس کے ہاتھ کے ذریعہ سے لکھتی اور کھینچتی ہے - مگر شخص مذکور کو اس کی مطلق خبر نہین -

ہمارے ناظرین نے اکثر سنا ہوگا کہ جب کسی پر سایہ ہو جاتا ہے - یعنی روح اسپر قبضہ کرتی ہے - تو مقبوض اجنبی زبانین بولنے لگتا ہے حالانکہ وہ ان زبانون سے واقف بھی نہ تھا اور جب سایہ چلا جاتا ہے تو زبان اجنبی نہین بول سکتا اس زمانہ مین علم روحانی کی عدم واقفیت سے لوگ سایہ اور تصرف ارواح سے انکار کرین - مگر انکے اس انکار اور جہل سے واقعات باطل نہین ہو سکتے - ہم نے خود اکثر لوگون کو یہ کہتے سنا ہے کہ یہ سب وہمی اور خیالی باتین ہین - مگر انہین یہ معلوم نہین کہ وہ خود علم باطن اور اصول روحانیت سے ناواقف ہین -

سائہ والے کی باتین

جسطرح ایک روح کسی شخص کے ہاتھ پر قابض اور متصرف ہوتی ہے اسی طرح وہ اور اعضا پر بھی قبضہ کر سکتی ہے بعض اوقات ایک روح اپنے وجود مثالی کے ساتھ ایک شخص کے گلے اور زبان پر متصرف ہوتی ہے اور اس کے اعضا سے آواز سے کام لیتی ہے اور اس ذریعہ سے اسکو آدمیون سے باتین کرنے کا موقع ملتا ہے - اور حاضرین سے جو جی مین آتا ہے کہتی ہے جبکہ کوئی روح صرف گلے

اور زبان ہی پر قبضہ کرتی ہے۔ تو معمول یا وہ شخص جس پر وہ روح آتی ہے اپنی باتون کو تو سنتا اور جانتا ہے مگر اسکو اپنے حلق اور زبان پر کوئی قابو نہین رہتا اور وہ اپنی زبان کو باتین کرنے سے نہین روک سکتا۔

مگر جب کوئی روح کسی شخص کے پورے جسم پر قابض اور متصرف ہو جاتی ہے۔ تو اس وقت اسکو ہوش نہین رہتا اور وہ اپنے افعال و حرکات سے بالکل ناواقف ہوتا ہے۔ اور جب روح اس کے جسم سے چلی جاتی ہے اور اسکو ہوش آتا ہے۔ تو اپنے حرکات اور افعال اسکو مطلق یاد نہین رہتے۔ جو کچھ حالات اس بے ہوشی مین گزرتے ہین ان سب کو بھول جاتا ہے۔ نہ اسکو اپنی باتین یاد رہتی ہین اور نہ دوسرون کی روح کے آنے سے معمول کے چہرے پر تغیر ہو جاتا ہے یہ بات سب کو معلوم ہے کہ دلی حالت کے بدلنے سے چہرے کی حالت بھی بدل جاتی ہے۔ غصہ۔ رنج اور خوشی کی حالتون مین چہرے کی مختلف حالتین ہوتی ہین جن سے سب واقف ہین۔ زیادہ بیان کی حاجت نہین اسی طرح جب کوئی روح کسی شخص کے جسم پر پورا قبضہ کرتی ہے تو اس کے چہرے ہی نہ بلکہ تمام جسم کی حالت مین تغیر پیدا ہو جاتا ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ جسم اس روح کی حالت کو ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے جو اس کے سر پر آئی ہے۔

جن بھوت اور ارواح کے سائے کے مثالین اس کثرت سے

ہمارے ملکوں میں واقع ہوتی ہیں جن کو ہر شخص اپنی آنکھوں سے
دیکھ سکتا ہے۔ زیادہ توضیح اور ثبوت کی یہاں ضرورت نہیں مشاہدہ
سے زیادہ کوئی دلیل عقلی زوردار نہیں۔ صرف اتنا کہدینا کافی نہیں کہ
یہ حالات وہمی اور خیالی ہیں۔ جبکہ ہزاروں واقعات روحانی اثرات
پر گواہی دے رہے ہیں اور اس بات کا یقین دلا رہے ہیں کہ
ارواح زندہ اجسام پر متصرف ہوتی ہیں۔ تو اب ان حالات سے
انکار کرنا محض عدم علم و فہم کی بنا پر ہے۔ عالم ارواح کے حالات
سے وہی اشخاص انکار کر بیٹھتے ہیں جو علم باطن سے محض کورے ہیں۔

روح کا مادی شکل اختیار کرنا

انسان پر قبضہ کرنے کے علاوہ روح مادی شکل بھی اختیار کر سکتی ہے
اور ان تدبیروں سے وہ عالم اجسام سے تعلق پیدا کر لیتی ہے۔ اور
لوگوں سے گفت و شنید کرتی ہے عالم مثال کی روح کسی زندہ
شخص کے اطراف سے ایتھریل مادے کو لیکر کوئی عضو انسانی
بنا سکتی ہے اور اس بنانے کے کئی طریقے ہیں جو اس وقت بیان
نہیں کئے جا سکتے۔ یہ روح اس مادے سے ہاتھ بنا کر اس کے
ذریعہ سے عالم اجسام کی کسی شئے کو حرکت دے سکتی ہے یا اس
مادے کو اپنے مثالی ہاتھ پر لپیٹ کر اور اس کو جسمانی بنا کر دکھا سکتی
ہے۔ بعض اوقات روح اس ایتھریل مادے کو اپنے وجود مثالی پر

خوب چڑھا کر اور ایک مجسم آدمی بنکر ہمارے سامنے آتی ہے اور ہم سے
باتین چیتین کرتی ہے۔ اسی کارروائی کو ہم روح کا مادی شکل اختیار
کرنا کہتے ہین۔ اس لطیف جسم کے ساتھ وہ دنیا مین بہت سے تماشے
دکھاتی ہے اور اپنی دلی خواہشون کو پورا کرتی ہے۔

عالم اجسام کی اشیا کو کوئی قوت بغیر مادے کے توسل کے
حرکت نہین دے سکتی۔ جب آدمی مرجاتا ہے اور اس کا قالب عنصری
باقی نہین رہتا۔ تو وہ اپنے وجود مثالی سے کسی چیز کو حرکت نہین
دے سکتا۔ مگر وہ دوسرے شخص کے اندر داخل ہونے یا اپنے اوپر
ایتھریل مادے کی موٹی تہ چڑھانے سے وہ البتہ اس عالم کی چیزون
سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

ان دونون تدبیرون سے وہ ہماری دنیا کی اشیا پر متصرف ہو سکتا
ہے اور جو جی چاہے وہ نتیجہ پیدا کر سکتا ہے مگر بغیر اس مادے کی
مدد کے کوئی روح اجسام مین تصرف نہین کر سکتی۔

لیکن یہ ضرور نہین کہ ہر حال مین وہ مادی شکل دنیا دارونکو دکھائی
بھی دے جسکو روح نے اختیار کیا ہے۔ اگرچہ کہ بعض اشکال سخت
مادے کے ہوتے ہین۔ مگر اکثر اشخاص کو وہ دکھائی نہین دیتین۔
بعض اوقات لوگون کو ارواح ایک دھوئین یا ابر کی شکل مین اٹھتی
ہوئی دکھائی دیتی ہین۔ بعض مرتبہ مجسم آدمیون کی طرح دکھائی دیتی
ہین۔ اور ان کے اجسام کو چھو سکتے ہین۔ مگر اس مین کوئی شک و شبہ

نہین کہ جب تک کوئی روح ثقیل مادے سے اپنا جسم نہین بنا لی تب تک وہ مادی چیزونکو حرکت نہین دے سکتی۔

مرنے کے بعد انسان اس دنیا کی چیزونکو اسی طرح دیکھتا ہے جسطرح کہ وہ زندگی مین دیکھتا تھا۔ اس وقت اسکا جسم کثیف نہین ہوتا۔ مگر جسم لطیف یا قالب مثالی ہوتا ہے اسلئے جب وہ اپنے اس قالب مثالی پر ایتھر یل مادہ کی موٹی تہ چڑہا لیتا ہے تو وہ نظر آنے لگتا ہے۔ کیونکہ شعاع آفتاب ثقیل مادے پر گر کر لوٹتی ہین اور اس سلئے اشیاء دکھائی دیتی ہین۔ اس وقت وہ مرا ہوا آدمی اپنی پوری شکل و صورت مین ظاہر ہو جاتا ہے۔

عالم مثال کی ایک روح کو یہ بات بہت آسان ہے کہ وہ کسی شخص کی صورت اختیار کرلے۔ اسکے دل مین قوی تصور کرتے ہی اس کی صورت آدمی کی ہو جاتی ہے جسکی شکل مین وہ ظاہر ہونا چاہتا ہے۔ کیونکہ عالم مثال کا مادہ بہت لطیف ہے وہ آسانی سے ہر سانچے مین ڈہل سکتا ہے اور اس لئے ایک عالم مثال کی روح ہر شکل و صورت کو آن واحد مین بدلتی ہے۔

یوروپ اور امریکہ مین آج کل لوگ بڑے بڑے اشخاص مثلاً سقراط افلاطون وغیرہ کی ارواح کو بلاتے ہین اور عوام الناس سے باتین کراتے ہین اور لوگ انہین وہی سمجھتے ہین جو ان سے کہا جاتا ہے۔ یہ کارروائی صرف ایک دہوکے کی ٹٹی ہے وہی ایک روح مختلف اشکال مین دکھائی دیتی ہے اور باتین کرتی ہے اور نہ سقراط کی روح آتی ہے اور نہ افلاطون کی۔ اہل فہم اور علوم باطن کے اسرار جاننے والے ایسے تماشون اور شعبدہ

بازیون کی طرف متوجہ نہین ہوتے۔

خود بخود سلیٹ پر لکھہ جانا

سلیٹ پر خود بخود لکھہ جانا بھی ان حالتون مین داخل ہے جبکہ روح لطیف مادے کی تہ اپنے اوپر چڑہاتی اور اس دنیا کی اشیا کو حرکت دیتی ہے۔ جب کسی قابل شخص کو یہ منظور ہوتا ہے کہ روح کچھہ سلیٹ پر لکھے اور لوگ اس تحریر کو دیکھین۔ تو وہ سلیٹون کے بیچ مین پنسل کا ایک ٹکڑا رکھہ دیتا ہے اور انہین کپڑے مین اچھی طرح لپیٹ کر اسپر مہر لگا دیتا ہے تاکہ لوگون کو یہ شبہ پیدا نہ ہو کہ کسی خاص تدبیر سے تحریر حاصل کی گئی ہے اس کارروائی کے بعد غیر مرئی دنیا یا عالم مثال کی ایک روح جسکو لکھنا آتا ہے اور جو اس وقت لکھنا چاہتی ہے اپنے مثالی ہاتھہ پر ایتھریل مادے کی ایک تہ چڑہا لیتی ہے جو سلیٹون کے اطراف وجوانب بکثرت بھرا ہوا ہے اور اس ترکیب سے وہ اس پنسل کو اپنے مادی ہاتھہ سے حرکت دیتی اور لکھتی ہے۔ ثقیل سے ثقیل مادے مین بھی ایتھر بغیر کسی مزاحمت اور مخالفت کے داخل ہوتا ہے۔ اسلیئے ایک ایتھر کا ہاتھہ سلیٹ مین سے اسطرح باسانی گھس جاتا ہے جیسے کہ دہوئین یا دخان مین سے ہمارا ثقیل ہاتھہ بغیر کسی مزاحمت اور دقت کے گزر جاتا ہے ان تجربون سے ثابت ہے کہ روح اس عالم ناسوت کے ساتھہ ایتھر کے ذریعہ سے تعلق پیدا کر سکتی ہے

سالک کا طریقہ

ایک تربیت یافتہ سالک اس عالم ناسوت سے انتقال کے بعد یا زندگی ہی

مین عالم آخرت یا غیر مری اور وسیع عالم مین کام کرتا ہے اور بعض وقات اس کو کسی شخص کی اعانت اور امداد کی ضرورت داعی ہوتی ہے - جو کسی تکلیف یا عذاب مین ہوتا ہی تو ایسی صورت مین وہ اپنے وجود مثالی سے اطراف فضا مین سے ایتھریل مادہ لپیٹ لیتا ہے اور اس تدبیر سے اس کا وجود مثالی مادی شکل حاصل کرتا ہے وہ نہ تو کسی شخص کے اندر گھس کر کوئی کام اس دنیا مین کرتا ہے اور نہ کسی کے اطراف وجوانب سے اسکے ایتھریل مادے کا کوئی حصہ لیتا ہے بلکہ اس کثیر مادے مین سے جو عالم مین ہر جگہ بھرا ہوا ہے وہ لے لیتا ہے اور اسکو کام مین لاتا ہے - اور اس مادے سے جو شکل چاہتا ہے اسکو اختیار کر کے اس شخص سے باتین کرتا اور اسکو مدد دیتا ہے جو تکلیف یا عذاب مین مبتلا ہے - اور جب وہ اس شخص کی امداد کر چکتا ہے تو پھر اس قالب لطیف کو چھوڑ دیتا ہے اور پھر یہ جزوی مادہ اپنے کل مین مل جاتا ہے اور اپنی اصلی صورت پر عود کرتا ہے - اور سالک کی روح پھر اپنے کام مین مصروف ہو جاتی ہے -

فصل ۴ - معمول

جسمانی خصوصیت

معمول یا وہ شخص جسپر کوئی روحانی اثر ڈالا جاتا ہے یا کسی روح کا قبضہ ہو

باسانی ہوتا ہے ایک ایسا شخص ہوتا ہے جس مین معمول ہونے کی جسمانی قابلیت یا خصوصیت ہوتی ہے۔ اسکے اجزاے جسمانی اور اجزاے مثالی مین چسپیدگی کم ہوتی ہے اور اس کا قالب مثالی آسانی کے ساتھہ جسمانی قالب سے جدا ہو سکتا ہے۔ معمول ہونے کی قابلیت اگرچہ خلقی ہے۔ مگر وہ عموماً مشق اور اکتساب سے بھی حاصل ہوتی ہے۔

جس شخص مین معمول ہونے کی قابلیت ہوتی ہے وہ عام اشخاص سے عقل اور فراست مین کچھہ زیادہ نہین ہوتا بلکہ اس کے خلاف دیکھا جاتا ہے۔ اس زمانہ مین اکثر معمول وہی اشخاص دیکھے جاتے ہین جن کے عقلی قوا مین ترقی کم پائی جاتی ہے۔ اگرچہ بعض مستثنیٰ صورتین بھی موجود ہین۔

الغرض معمول ہونے کی خصوصیت صرف جسم ہی سے تعلق رکھتی ہے۔ جب جسم کی ایک خاص حالت پیدا ہو جاتی ہے تو آدمی معمول ہو جاتا ہے۔ معمول کے لئے یہ ضروری نہین کہ اس کے قواے دماغی ترقی یافتہ ہون یا اس کے اخلاق اعلےٰ درجہ کے مہذب ہون بلکہ معمول مین ان قواے روحانی اور عقلی کے نمو کی تحریک بھی لازمی نہین۔ اکثر معمول مین قواے روحانی کی ترقی اور نمو ذرا بھی پایا نہین جاتا جو انسان کا اعلےٰ اور افضل پہلو ہے۔ اور درحقیقت انسان اسی پہلو یا رُخ کو کہتے ہین۔

اسپر بھی لوگ معمول ہونے کو ایک روحانی ترقی خیال کرتے ہین۔

جو شخص صرف ارواح کا اعتقاد رکھتا ہے اور بعد الموت زندگی کو
یقینی جانتا ہے اسکو بھی اکثر لوگ ایک روحانی آدمی سمجھتے ہین اور جو شخص
صوفیون کی وضع و قطع تراشتا ہے ۔ اسکو خدا رسیدہ شخص جانتے
ہین اور جو شخص صرف عالم مثال کے کھیل تماشون ہی مین مصروف
رہتا ہے اسکو ایک ربانی شخص یا انسان کامل یا مہاتما خیال کرتے
ہین مگر سچی روحانی زندگی اور اصلی خدا پرستی چیزے دیگر ہے ۔

ٹیلیگرام یا عالم مثال کی تار برقیان اور پیغام

عالم مثال سے جو تار برقیان اور پیغام ایک معمول کے توسط سے آتی
ہین انھین اگر کوئی شخص حقیقت مذہب سمجھے اور ان پیغامونکو انکشاف
سمجھکر معمول کے آگے سر جھکا دئے اور اسکو ایک مہاتما اور انسان
کامل یاد کرے تو اس کی مثال ایسی ہے کہ گویا وہ الہ آباد کی صدر
اسٹیشن پر جو تار کی بیٹری رکھی ہے اس کو سجدہ کر رہا ہے جہان سے
تمام ہندوستان کے شہرون کو تار جاتے اور آتے ہین تار برقی کے
آلہ کی پرستش کرنا اور اسکو مرشد کامل جاننا ایک نادانی ہے ۔ دونو
صورتون مین پیغام بھیجنے والا شخص ایک ہی ہے خواہ وہ تار اور
بیٹری کے ذریعہ سے پیام بھیجے یا کسی معمول کے زندہ جسم کے
وسیلہ سے ۔

اگر کوئی ایسی روح جو جسم ثقیل نہ رکھتی ہو کسی دوسرے آدمی کو

اپنا معمول یا ذریعہ بنا سے یا کوئی ٹیلیفون کو استعمال کرے تو دونوں
صورتیں دراصل ایک ہی ہیں اور ان دونوں صورتوں میں روحانیت
پائی نہیں جاتی - مرنے کے بعد جو ہم ایک مردہ کو روح کہتے ہیں
جس نے اپنے جسم کثیف کو اتار ڈالا ہے - تو اس سے بہت کچھ اشتباہ
اور احتمال پیدا ہوگئے ہیں اور ایک بے ضروری تعظیم اور عزت مردوں
کو حاصل ہوگئی ہے - حالانکہ مردہ اور زندہ میں صرف جسم کا فرق ہے
مردے میں قالب ثقیل یا جسمانی موجود نہیں اور زندہ میں یہ جسم قایم ہے
ہم مردے سے باین اعتبار افضل ہیں کہ ہمارے پاس پورے قالب
یعنی ہفت اندام موجود ہیں اور ہم اس عالم مادی کی اشیا میں تصرف
کرسکتے ہیں - مگر یہ بات مردے کو نصیب نہیں - کیونکہ موت ہم سے
صرف اس جسمانی قالب کو چھین لیتی ہے اور ہم روح میں موت سے
کوئی تغیر نہیں پاتے -

ایک گنوار اور جاہل آدمی مرنے کے بعد بھی گنوار اور جاہل رہتا
ہے - وہ مرنے سے کوئی شایستہ آدمی نہیں ہو جاتا - اگرچہ کہ اس
جاہل آدمی کی روح کسی معمول کے ذریعہ سے ذرا اپنے آپ کو لایق
اور شایستہ ظاہر کرے - تاہم ہمیں ضرور نہیں کہ ہم اس کے بیان
کو اس سے زیادہ وقعت دیں جبکہ وہ حالت زندگی میں ہم سے باتیں
کرتا تھا -

ہم خواہ مخواہ مردوں سے غیر ضروری خوف اور رجا رکھتے ہیں -

اور ان سے طرح طرح کی مرادین اور منتین مانگتے ہین جبکہ وہ حالت زندگی ہین کسی مراد کے برلانے کی طاقت نہین رکھتے تھے۔ تو مرنے کے بعد یہ طاقت انہین کہان سے آجائے گی۔ جب کوئی معمول کوئی بات بیان کرے تو ہمین اس بیان کو اسی حیثیت سے خیال کرنا چاہیئے جیسے کہ ایک معمولی آدمی کسی دوسرے معمولی آدمی سے باتین کر رہا ہے اور اس کا بیان اسکی لیاقت کے موافق اعتبار کیا جا سکتا ہے۔

مقدس کنواری لڑکیان

کسی شخص کو معمول بنانے یا اس کی وساطت سے کسی روح سے باتین کرنے یا کوئی کام لینے کا رواج کوئی جدید نہین بلکہ ہزارون برس سے یہ طریقہ چلا آتا ہے۔ اور عالم مثال سے تعلق پیدا کرنے کا یہہ ذریعہ سب سے زیادہ آسان ہے۔ پرانی کتابون اور تواریخ کے مطالعہ اور نیز سالکین کے طریقہ تحقیقات سے یہ بات اچھی طرح سے ثابت ہے کہ قدیم ایام سے لوگ کسی شخص کو معمول بنا کے عالم مثال سے مراسلت کیا کرتے تھے۔ جب کوئی باقوت سالک اپنے مراقبہ مین ان قدیم مندرون اور پرستش گاہون کو دیکھتا ہے جن کا زمانہ بہت ہی پرانا ہے یا قدیم مصر کے عالیشان عبادت گاہون یا یونان کے ان مندرون کو جن کے احاطے سنگ مرمر کی دیوارون سے بنائے گئے تھے اپنی باطنی نظر کے سامنے لاتا ہے۔ تو اس کو دکھائی دیتا کہ

کہ ان مندروں اور عبادت گاہوں کے سامنے ہزاروں پجاریوں
اور تیر تحفہ کرنے والوں کا ہجوم ہے جن کے چہروں اور نگاہوں پر
عزت و تعظیم کے آثار نمایاں ہیں اور ان کے بیچ میں کچھ باکرہ
کنواری لڑکیاں موجود ہیں جن کے ذریعہ سے بڑے بڑے پیروں
اور مہاتماؤں کی ارواح باتیں کرتی ہیں ۔
اس پرانے زمانے کی حالت میں اور اب اس ہمارے نئے دور کی
حالت میں زمین و آسمان کا فرق ہے ۔ اُس زمانہ میں بڑے بڑے شریف
خاندانوں کی لڑکیاں اس غرض کے لئے عبادت گاہوں میں چڑھائی
جاتی تھیں ۔ چنانچہ حضرت مریم کا قصہ جو قرآن مجید میں ہے اس بات پر
شاہد ہے اور ان کی زبان سے مقدس روحیں اس عالم مادی کے لوگوں
سے باتیں کرتی تھیں ۔ یہ کنواری لڑکیاں عبادت گاہوں اور خانقاہوں
میں بڑی خبرداری اور حفاظت کے ساتھ پالی جاتی تھیں اور ان کے
اطراف و جوانب سوائے تقدس اور پاکی کے اور کوئی چیز موجود نہ تھی
ان کی غذائیں بہت بڑی احتیاط کے ساتھ انتخاب کیجاتی اور پکائی جاتی
تھیں اور کوئی برا خیال ان کے نزدیک تک آنے نہ پاتا تھا ۔ اس احتیاط
اور خبرداری کا نتیجہ یہ تھا کہ ان لڑکیوں کی وساطت سے بڑی بڑی
مقدس ارواح نہایت ہی اعلیٰ درجہ کی دانائی کے کلمات لوگوں سے
کہتی تھیں اور لوگ ان کو سنکر ان سے فائدے اٹھالیتے تھے ۔
اور اس حفاظت اور احتیاط کی وجہ سے کوئی نقصان ان لڑکیوں کو

نہین پہنچتا تھا۔ اور دنیا کو بڑے بڑے فائدے حاصل ہوتے تھے۔
اس طریقے کے علاوہ ایک اور طریقہ عالم ملکوت سے تعلق پیدا کرنے کا یہ بھی ہے کہ سالک تھوڑی دیر کے لیئے اپنی روح کو اس قالب عنصری سے علیحدہ کرلیتا ہے اور اس کے قالب مین دوسری ارواح جنھین وہ بلانا چاہتا ہے آجاتی ہین۔ لیکن یہ طریقہ اسی سالک کو سزاوار ہے جو اعلیٰ درجہ کی قوت رکھتا ہے اور جو اپنے ارادے سے اپنے قالب کو چھوڑکر جب تک چاہے علیحدہ رہ سکتا ہے اور اس روح کی باتین سن سکتا ہے جو اسکے اندر داخل ہوئی ہے اور اسکے تمام حرکات کو محسوس کرسکتا ہے۔ جب تک کوئی روح اسکے اندر سے باتین کرتی ہے وہ سالک عالم مثال مین علیحدہ کھڑا رہتا ہے اور اسکی باتین سنتا اور عش عش کرتا ہے۔
اس طریقہ مین ان سالکین کے لئے کوئی خوف اور نقصان نہین ہے

معمول کو خطرات

اس زمانہ مین جو طریقہ معمول بنانے کا اختیار کیا گیا ہے وہ خوف وخطر سے خالی نہین۔ معمول کو اس مین کئی طرح کے نقصان کا اندیشہ ہے۔
اور اس مضرت سے اہل باطن اکثر لوگون کو آگاہ کرتے ہین۔ مگر کم اشخاص اس نصیحت کو گوش دل سے سنتے ہین۔ جب کسی شخص کو معمول بنایا جاتا ہے۔ تو اسکی حالت عموماً بلحاظ تندرستی اور قوائے عقلی کے اچھی نہین رہتی یعنی اسکی صحت اور دماغ دونون پر معمول بننے سے برا اثر پڑتا ہے۔ اسکی

علاوہ معمول مین یہ قوت موجود نہین ہوتی کہ وہ اپنے اختیار سے جس روح کو چاہے اپنے جسم مین آنے دے اور جسکو چاہے نہ آنے دے۔ وہ انتخاب ارواح مین جو اس پر قبضہ کرتی ہین بالکل بے بس ہوتا ہے۔ جب کسی معمول کی روح اس کے جسم سے علیحدہ کردی جاتی ہے تو وہ عالم مثال مین بے حس و حرکت ہوتی ہے اور اکثر اوقات تو اسکو اپنا بھی ہوش نہین رہتا۔ چہ جائیکہ وہ عالم مثال کی اشیا کو محسوس کرے۔ اسکی روح اس قدر نا تربیت یافتہ ہوتی ہے کہ اُسکو اپنی اور نہ کسی دوسرے کی آگاہی ہوتی ہے اور وہ اس غیر مرئی عالم مین اپنے ہی خیال مین ڈوبی ہوئی ادھر اُدھر مستانہ وار ٹھوکرین کھاتی پھرتی ہے۔

ادھر تو اس معمول کی روح اس خراب حالت مین ہوتی ہے اور ادھر کوئی اچھی یا بری روح اُسکے جسم پر قبضہ کرلیتی ہے اور حاضرین جلسہ سے اسکے زبان کے توسط سے باتین کرتی ہے۔ بعض اوقات ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ کسی نیک آدمی کی روح اس معمول کی امداد اور رہنمائی کرتی ہے اور اسکو قابعض روح کی مضرت سے بچاتی ہے۔ مگر یہ رہنما روحین بھی معمولی اشخاص کی ہوتی ہین۔ اسلئے ان مین بھی نہ تو کوئی بڑی دانائی اور عقلمندی پائی جاتی ہے اور نہ کوئی غیر معمولی زور و قوت۔

ہم اسبات کو کہین آگے بیان کر چکے ہین کہ عالم مثال کے وہ طبقات جو دنیا کے متصل ہین اکثر ارواح خبیثہ اور بدکار آدمیون کے وجود مثالی سے بھرے ہوئے ہین اور وہان ہر قسم کے بدکار اور ناقص العقل اشخاص مرنے

کے بعد رہتے ہین۔ معمول کی روح بھی اپنے وجود مثالی کے ساتھ
انہین طبقات مین پہونچتی ہے اور اسکے خالی جسم پر کسی بدمعاش کی
روح متصرف ہوجاتی ہے باوجودیکہ محافظ موجود مین اس ادخال سے
اس کے جسم کو بچاتی ہین۔ مگر پھر بھی ان کا زور ان بدکار پرجوش
اور اہل نفس کی ارواح پر نہین چلتا اور وہ معمول کے جسم پر پورا قبضہ
حاصل کرلیتی ہین۔ واقعی اس خراب روح کے داخل ہوجانے سے
معمول کا قالب جسمانی خراب ہوجاتا ہے اور اسکی نجاست اور بدکاری
بھی اس مین اثر کرجاتی ہے اور وہ خبیث روح اس مین جو کچھہ برا
تصرف کرنا چاہتی ہے وہ کرتی ہے اور خواہشات کے پورا کرنے مین
کوئی کمی نہین کرتی۔

اگرچہ اس معمول کے خالی جسم مین کسی معمولی شخص کی روح ہی داخل
ہوجائے اور وہ کوئی بدکار اور بدمعاش آدمی نہ ہو تو بھی معمول کا تن
عنصری خراب اور نجس ہوجاتا ہے کیونکہ عموماً لوگون مین خود غرضی اور
خواہشات نفس اور غصہ پایا جاتا ہے اور مرنے کے بعد بھی معمولی
اشخاص کی ارواح مین یہ بری خصلتین باقی رہتی ہین۔ اور ان ارواح
کے داخل ہونے سے کچھہ نہ کچھہ برا اثر معمول کو ضرور پہنچ جاتا ہے

ناپاک اطراف وجوانب

اکثر عوام الناس کے جلسے ناپاکی اور کثافت سے مملوح ہوتے ہین

کیونکہ ان مجلسون مین عموماً وہی لوگ موجود ہوتے ہین۔ جنکے دلون مین خود غرضی اور دیگر جذبات نفسانی کی مختلف کثافتین بھری ہوئی ہوتی ہین یہ لوگ اہل باطن کے پاس یا تو اسی غرض سے جاتے ہین کہ ایک عجیب وغریب بات کو دریافت کرین یا محض دنیوی مقاصد مین ان سے اعانت طلب کیجاے۔ غرضکہ محض خدا طلبی کے لیئے بزرگان دین کے پاس بہت ہی کم لوگ جاتے ہین۔

چونکہ یہ لوگ موانعات شرعی سے پرہیز نہین کرتے اور حلال وحرام مین انہین تمیز نہین ہوتی اور عموماً وہ ستبندی شراب کے عادی ہوتے ہین اور بکثرت گوشت کہاتے ہین اور اپنے اجسام کو بھی ظاہر اور پاک وصاف نہین رکھتے۔ اس لیئے ان کے جسمون سے بری اثرات باہر نکل کر موری کی بدبو کی طرح چارون طرف پھیلتے ہین۔ اور اپنے اطراف وجوانب غلاظت وکثافت کا ایک کرہ پیدا کردیتے ہین جس سے ہر ایک جاندار متاثر ہوتا ہے اس ہمارے دور مین جسکو عدم علم روحانیت یا جاہلیت کا دور کہا جاسکتا ہے ایسے پرہیزگار شخص کم موجود ہونگے جو معمول بننے کی پوری قابلیت رکھتے ہون۔ کیونکہ جو معمول شراب اور گوشت کے عادی ہین اونکے اجسام سے ایسی بری گیسین اور کثیف ہوائین چارون طرف پہیلتی ہین کہ کوئی مقدس روح ان کے پاس تک آنا گوارا نہین کرسکتی۔ ہان البتہ کثیف ارواح انکے اجسام مین داخل ہوتی ہین جنہین وہ اپنی کم فہمی سے مقدس ارواح خیال کرتے

کرتے ہین ۔ جو لوگ دنیا مین پرہیزگاری کو اپنا شعار نہین بناتے ہین ان کے اجسام کی مثال ایسی ہے کہ کوئی غلیظ اور کثیف کپڑے پہن لے یا ایک ایسے نجس مکان مین رہے جو اینٹ اور چونے کی عوض نجاست اور غلاظت سے تیار کیا گیا ہو۔

یہی اسباب ہین کہ یورپ اور امریکہ مین بعض لوگ ارواح مقدسہ سے باتین کرانے کے مدعی ہوتے ہین اور انھین اپنے دعوی مین کامیابی نہین ہوتی ۔ غیر مرئی عالم کی ارواح مقدسہ عوام الناس کے مجمع مین آنے سے قطعی نفرت رکھتی ہین ۔ گو ان جلسون مین ان کے قریبی رشتہ دار ہی کیون نہ موجود ہون ۔ کیونکہ عوام الناس کے مجمع کے اطراف و جوانب ناپاک اور متعفن کرہ ہوا گھرا ہوتا ہے اور ان سے ان کی طبیعتون مین سخت انقباض اور تنفر پیدا ہوتا ہے ۔ ایسے جلسون مین سقراط و بقراط اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ارواح مقدسہ تو ہرگز نہین آتین ۔ مگر صرف معمولی آدمیون کی روحین جو اس ناپاک اور کثیف ہوا مین رہنے کی عادی ہین اور جنھین انسان کے معلم بننے مین ایک طرح کی خوشی حاصل ہوتی ہے ۔ البتہ ان مجلسون مین حاضر ہو جاتی ہین اور وہ تھوڑی دیر کے لئے اس مادی دنیا سے تعلق پیدا کرنے کا لطف اُٹھاتی ہین ۔ واقعی ان معمولی درجہ کی ارواح کو یہ موقع بہت ہی غنیمت ہوتے ہین جو بالطبع اس دنیائے دنی کی طرف ہمیشہ مائل رہتی ہین ۔

مجالس اہل اللہ کی شرایط

اس زمانہ مین حال وقال کی مجالس مین عام طور پر سب کو آنے کی اجازت ہے اور اکثر لوگون کو حال آتے ہوئے بھی دیکھا جاتا ہے۔ لیکن اگران مجالس سمع مین بعض شرایط کی پابندی کی جائے۔ یعنی صرف اہل ذوق ہی جمع ہون۔ توالبتہ دوران سمع مین مقدس ارواح بھی ان مجالس مین آسکتی ہین اور اہل باطن کو ان کی حاضری سے بہت کچھ فوائد پہنچ سکتے ہین۔

اگر ان مقدس جلسون کی شرائط تبدیل کردی جائین اور صرف انھین لوگون کو ان مین آنے کی اجازت دی جائے۔ جنکی زندگی پاک وصاف اور بے غرضانہ ہو۔ اور جنکے مقاصد زندگانی صرف روحانی ہون۔ اور اگر صاحب ذوق کوئی ایسا شخص ہو جو پرہیزگار اور متقی ہو اور جس کے خیالات مقدس اور روحانی ہون اور جس کا دل حرص وحسد اور دیگر لوث نفسانی سے پاک ہو۔ توالبتہ ان جلسون سے اسقدر فوائد کثیر دنیا کو پہنچ سکتے ہین جنکا یقین بھی اس زمانہ مین لوگون کو آنہین سکتا۔ مسٹر اسٹیڈ نے یورپ مین انھین شرائط پر ایک خانقاہ قایم کی ہے۔ ہمارے ملک مین بھی انھین اصول پر کسی زمانہ مین خانقاہین بنائی جاتی تھین اور ابتدائے عمر سے سالکین وہان رکھکر تربیت کئے جاتے تھے ان خانقاہون کو بیت المال سے کافی اعانت بھی دی جاتی تھی۔ چنانچہ اس زمانہ مین بھی صدہا معافیات اراضی اور یومیہ اور وظایف ان خانقاہون کے لیے سرکار کی طرف سے دئے جاتے ہین۔

مگر معلوم نہین کہ جس غائت کے لئے یہ روپیہ دیا جاتا ہے وہ کہان تک
پوری ہوتی ہے۔ عام طور پر تو صرف سالانہ عرس و صوم و ھام سے کی جاتے
ہین اور روشنی اور مجلس سماع ہی کا رواج پایا جاتا ہے۔ اگر ان خانقاہو
مین سالکین کی باضابطہ تعلیم و تربیت پر زور دیا جائے اور علم روح کی
تحقیقات مین وقت اور روپیہ صرف کیا جاسئے تو البتہ دنیا کو بہت کچھ
فائدے ان سے حاصل ہو سکتے ہین۔

اگر ان مجالس کے شرایط بدلے نہ جائین گے۔ تو نتایج بھی وہی رہینگے
جو اب تک رہتے چلے آئے ہین۔ بے ضابطہ تعلیم و تربیت سے جو شرایط
پرہیزگاری اور اتقا کے ساتھ نہ ہو۔ سالک یا معمول اکثر نقصان اوٹھاتے
اور خراب ہو جاتے ہین اور آخر کار وہ وہم و خیال کی غلامی کرتے ہین
اور روحانی فضیلت اور کشف و کرامت سے بے نصیب رہتے ہین۔ اور
بعض تو ان مین سے مجنون اور مخبوط بھی ہو جاتے ہین جنھین لوگ مجذوب
کھتے ہین۔ اگر خانقاہون کے مشایخ اور مرشد اور رہنماے سالکین
علم روحانی مین کچھ اضافہ کرنا چاہتے ہین اور اس قیمتی علم کو زندہ رکھنے
کے خواستگار ہین تو انھین چاہیے کہ علم تصوف کی موجودہ حالت پر ایک
عمیق نظر ڈالین اور اس کی اصلاح کی طرف کوشش کرین اور اپنی خانقاہون
مین ایسے مریدون کو رکھکر تعلیم و تربیت کرین۔ جن کے اعمال و افعال کی
پوری محافظت کی جاسئے۔ اور دنیوی سوسائٹی اور عام لوگون کی صحبتون
سے بالکل بچائے جائین۔ انھین اسبات کی کبھی اجازت نہ دی جاسئے کہ

وہ خود غرض اور نفس پرست اہل دنیا سے کوئی تعلق رکھین - ایسی سالکین اسوقت مہیا ہو سکتے ہین جب بچپن ہی سے اون کی احتیاط اور حفاظت عمل مین آسئے اور وہ دنیا دارون کی سوسائٹی کے اثرات سے محفوظ رکھے جائین -

روح کو مادی شکل مین لانیکے خطرات

معمول کے ایتھیریل مادے کے ذریعہ سے کسی روح کو عالم مری یا خارج مین لانا اور اس روح کو اس تدبیر سے متشکل کرکے لوگون کو دکھانا کبھی خطرے سے خالی نہین - عام طور پر سالکین کو اس عمل کی ہرگز اجازت نہین دی جا سکتی - اس سے صرف معمول کی صحت ہی خراب نہین ہوتی بلکہ اسکی جان کا بھی خطرہ ہے - جب کسی معمول کے اطراف سے اس کا ایتھر اس عمل کے لئے لیا جاتا ہے - تو اسوقت اسکی جان مین کمی آجاتی ہے اور اس کی وائٹل فورس کم ہو جاتی ہے جس پر مدار زندگی ہے - جسقدر کسی شخص کے جسم سے ایتھر کم کیا جائے گا اسی قدر اُس کی جسمانی طاقت کم ہو جائیگی اور اس کے بعد سخت غشی اور بے ہوشی کی حالت طاری ہو جائے گی اس حالت مین اعضائے جسمانی مین ایک قسم کی بے ترتیبی واقع ہوتی ہی دل کی حرکت دھیمی پڑجاتی ہے اور معدہ خراب ہو جاتا ہے - الغرض معمول کو اکثر اس عمل کے کرنے سے جسمانی خرابیان لاحق ہوتی ہین اور اسکا دماغ اور قلب کمزور ہو جاتا ہے - بعض اوقات ان صورتون مین معمول کو

شراب یا دیگر محرک خون مشروبات پلائی جاتی ہین اور پھر رفتہ رفتہ اسمین
شراب خواری کی عادت پیدا ہو جاتی ہے -

ایتھیریل مادّے کا نقصان

جب کوئی روح یا وجود مثالی کسی زندہ آدمی کے ایتھر کو لے کر اپنے
اوپر اسکی تہ چڑھاتی ہے اور اسطرح وہ ہمارے سامنے آتی ہے تو معمول
کی جان مین نقصان وارد ہوتا ہے - اور اس کی قوت زیست کم ہو جاتی ہے
اگر وہ روح جس نے قالب مادّی اختیار کیا ہے ایک پرجوش اور پرغضب
خاصیت رکھتی ہے یا نفسانیت اور خواہشات اس پر غلبہ کئے ہوئے
ہین تو اس کے یہ خصوصیات اس ایتھر کے وزریعہ سے اس معمول پر بھی اثر
کرینگی جس کے جسم سے یہ ایتھر لیا گیا ہے - کیونکہ جب وہ روح نظر سے غائب
ہو جاتی ہے اور اسکا یہ جدید ایتھیریل جسم ٹوٹ جاتا ہے - تو پھر وہ ایتھر
اس معمول کے جسم مین آجاتا ہے اور اسوقت اس مادہ مین اس روح کے
خصوصیات باقی رہ جاتی ہین جو اس زندہ کے اندر سرایت کرتی ہین
ان وجوہ پر نظر کرنے سے یہ عمل ہی ہمارے نزدیک کرنے کے لائق نہین
جس سے کسی شخص کو مضرت پہنچے -

معمول کے علاوہ جس جلسے مین یہ عمل کیا جاتا ہے وہان کے تمام اشخاص کے
جسم مین سے بھی کچھ نہ کچھ حصہ ایتھیریل مادہ کا لیا جاتا ہے اور اس طرح
معمول کے جسم کی حفاظت کی جاتی ہے - الغرض ایسے عملیات سے جو

محض کھیل تماشے کی غرض سے کئے جاتے ہین ایک گونہ مضرت اور
نقصان سب کو پہنچتا ہے اور لوگ اس راز سربستہ سے آگاہ نہین ہوتے

زندہ اشخاص پر ارواح کا مسلط ہونا یا قبضہ کرنا

اگر کوئی شخص جس پر عالم مثال کھلا ہوا ہے ایک ایسے جلسہ پر باطنی
نظر ڈالے جہان کسی معمول پر کوئی روح بُلائی جا رہی ہے تو اس کو صاف
دکھائی دے گا کہ اس جلسہ کے مکان مین ارواح کا اژدہام یا مجمعہ ہے
کیونکہ اس عمل کی خاصیت ہی یہ ہے کہ وہ عالم مثال کی ارواح کو اس مکان
جلسہ کی طرف کھینچ لائے ۔ مگر ان ارواح مین سے صرف ایک یا دو روحین
معمول کے جسم مین سے ابھر لے کر حاضرین جلسہ کے سامنے آتی
ہین اور باقی ناکام رہتی ہین ۔ اور وہ اپنے اثرات خواہ اچھے ہون
یا بُرے حاضرین مجلس پر ڈالتی ہین ۔ بعض اوقات یہ ارواح حاضرین
مین سے کسی بدقسمت شخص کے اوس حجاب یا پردے کو پھاڑ ڈالتی
ہین جو عالم ناسوت اور عالم مثال کے درمیان واقع ہے اور جس کا ذکر
ہم گزشتہ فصل مین کسی جگہہ کر آئے ہین اور اس پردے کے دور
ہو جانے کے بعد یہ بدقسمت شخص اس روح کے اختیار مین آجاتا ہی
جس نے اس پر یہ تصرف کیا ہے ۔ اِس وقت یہ روح اگر چاہے تو اس پر
ہمیشہ اپنا قبضہ رکھے اور اس کی زندگی کو تلخ کر دے اور یہی دنیا
اس کے لئے دوزخ ہو جائے ۔ اس حالت مین یہ بیچارہ شخص کیا کر سکتا ہے

وہ تو بالکل اس روح کے اختیار مین ہوتا ہے۔
جب ایک دفعہ بھی یہ پردہ دور ہو گیا۔ تو اب وہ شخص جسکا پردہ دور ہوا ہے اکثر بُرے ارواح کا شکار ہو جاتا ہے۔ اور یکے بعد دیگری اس پر بدکارون اور بدمعاشون کی روحین قبضہ کرتی رہتی ہین۔ اور وہ ان کے ہاتھون مین ایک گیند یا کٹ پتلی ہوتا ہے۔ جدہر خبیث ارواح اسکو لئے جاتی ہین ادہر جاتا ہے اور جیسا ناچ وہ اوس کو نچاتی ہین ویسا ناچتا ہے۔ یہ بات قابل افسوس ہے کہ عالم مثال کے اسفل طبقات مین اکثر بدمعاشون اور نالایق شخصون کی روحین پریشان طور پر چکر کاٹتی ہوئی پھرتی ہین اور وہ ہمیشہ اس تلاش مین رہتی ہین کہ کسی معمول یا کمزور آدمی مین گھس کر اس مادی دنیا کے لذائذ سے پھر بہرہ ور ہون ان کو ایسے کمزور اشخاص ایک نعمت غیر مترقبہ ہوتے ہین۔ اس لئے جس شخص کا یہ فطری حجاب دور ہو جاتا ہے اس کی حالت اچھی نہین رہتی۔ وہ قابل رحم ہو جاتا ہے۔ مین نے خود حیدرآباد ہی مین ایک آدمی کو دیکھا ہے جس پر عالم مثال کا اسفل طبقہ کھلا ہوا ہے اور وہ یہ چاہتا ہے کہ کسی طرح یہ اسکی دید بند ہو جائے۔
بعض اشخاص کا بیان ہے کہ یہ شخص پہلے تصوف اور علم آخرت کا قائل نہ تھا اور ایک جلسہ مین اس کے خلاف گفتگو کر رہا تھا اتفاقاً وہان کوئی صاحب دل بھی بیٹھے تھے۔ اونھون نے اپنے تصرف سے

اس کا حجاب دور کر دیا اور اس کو عالم مثال کے اسفل طبقے نظر آنے لگے۔ اور وہ اس علم مقدس اور آخرت کا قائل تو ہو گیا۔ مگر پھر اسکی نظر سے عالم مثال غائب نہ ہوا اور یہ بات اس کو ناگوار خاطر ہے۔

اگر حجاب دور بھی نہ ہو۔ اوس وقت بھی یہ ہوتا ہے کہ بعض بُری روحین اون اشخاص کے ساتھ ان کے گھرون کو لگی چلی جاتی ہین۔ جو اُن جلسون مین حاضر ہوتے ہین جہان ارواح کے کھیل تماشے دکھائے جاتے ہین۔ اور جب کبھی موقع ملتا ہے تو اُن کو ستانے مین دریغ نہین کرتین۔ اس موقع پر یہ بات بھی قابل بیان ہے کہ بچون اور لڑکون پر بُری ارواح کا جلد اثر پڑتا ہے اور بالغ کی نسبت انہین متاثر ہونے کی قابلیت زیادہ ہے۔ اس لئے اگر وہ ارواح جو حاضرین جلسہ کے ساتھ لگ آتی ہین۔ اون کے گھرون مین داخل ہو جائین جہان چھوٹے چھوٹے بچے ہین۔ تو البتہ افسوس ناک نتائج پیدا ہو جائینگے مگر آجکل لوگ ان خرابیون کو جانتے نہین۔

ہم یہان پر لوگون کو یہ ممانعت نہین کرتے کہ لوگ اس قسم کے جلسے نہ کیا کرین۔ بلکہ ہماری راے یہ ہے کہ یہ جلسے خاص ہونا چاہیئے۔ جہان مخصوص اشخاص موجود ہون۔ ان جلسون کو عام طور پر کرنا اور عوام الناس کو ان مین بلانا خطرے سے خالی نہین۔ کیونکہ عوام الناس مین اس قدر صلاحیت نہین کہ وہ بُرے ارواح کے اثرات سے متاثر نہ ہون اور خواص پر ان بُری ارواح کا زیادہ اثر نہین پڑ سکتا۔ اسی وجہ سے اگلے

زمانہ مین خاص بیٹھکین ان عملون کے واسطے کی جاتی تھین اور معمول بھی خاص خاص حفاظت کے ساتھ رکھے جاتے تھے۔

فصل ۵ - روح اعلیٰ

تقید دماغ

سلوک کا طریقہ جس سے عالم مثال کھل جاتا ہے کوئی خلاف فطرت بات نہین ہے۔ اس طریقہ پر عمل کرنے سے روح اعلیٰ اور دماغ کے درمیان ایک راہ پیدا ہو جاتی ہے۔ دماغ خود خیال پیدا نہین کرتا۔ وہ تو محض ایک آلہ یا فونوگراف کی پلیٹ یا بانسری ہے جس کے ذریعہ سے خیالات ظاہر ہوتے ہین۔ یعنی خیالات دل مین پیدا ہوتے ہین اور وہ دماغ مین آکر ظاہر ہوتے ہین۔ تمام خیالات قلب اعلیٰ یا روح اعلیٰ کی حرکت سے پیدا ہوتے اور دماغ انھین وصول کرتا ہے یعنی وہ مقام قلب مین پیدا ہونے کے بعد دماغ مین اترتے ہین اور پھر دماغ کے ذریعہ سے ظاہر ہوتے ہین۔ اس لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ تمام خیالات اور احساس قلب اعلیٰ کے مقام کی تاربرقیان ہین جنھین ہمارا دماغ ریسیو کرتا یا وصول کرتا ہے۔ مگر بعض خیالات ایک دماغ سے دوسرے دماغ مین بھی منتقل ہوتے ہین۔ اس صورت مین بھی

خیالات کا سرچشمہ قلب ہے۔ اس جگہہ اس بات کے اظہار کی بھی ضرورت ہے کہ بغیر دماغ کی وساطت کے بھی خیالات قایم ہوتے ہین۔ دماغ خیالات کے لئے کوئی ضروری شے نہین ہے جیسا کہ آج کل مادئین خیال کرتے ہین۔ وہ اپنی غلط فہمی سے دماغ ہی کو خیالات کا پیدا کرنے والا جانتے ہین۔ انھین یہ معلوم نہین کہ جب دماغ معطل ہوتا ہے جب بھی انسان کے دل مین خیالات بدستور پیدا ہوتے ہین۔

اس بات کے سننے سے لوگون کو کسیقدر حیرت ہوگی کہ جس کو ہم اپنی آگاہی۔ ادراک یا دل کہتے ہین وہ روح اعلیٰ یا آگاہی اعلیٰ کا ایک مقید حصہ ہے۔ یعنی ہم مین ایک تو روح مقید یا قلب مقید ہے۔ جس کو ہم جانتے ہین اور جو ہمارے دماغ مین سوچتا اور سمجھتا ہے۔ دوسری روح مطلق یا قلب مطلق ہے۔ جس کا سایہ یا عکس قلب مقید ہے۔ خداوند تعالیٰ نے دماغ انسانی کو ایک ایسا آلہ بنایا ہے جس کی ساخت اور ترکیب کے مشاہدہ سے عقلین دنگ ہین۔ وہ ہمارے تمام خیالات کو جنھین قلب اپنی حرکت سے پیدا کرتا ہے وصول کرتا ہے۔ مگر وہ ان خیالات یا حرکات قلب کو مقید کر دیتا ہے اور ان کے پاؤن مین کتنی ہی بیڑیان ڈالدیتا ہے۔ ہمارے قلب سے خیالات تو اسی سرعت کے ساتھ نکلتی ہین جیسے بادلون مین سے بجلیان۔ مگر وہ ان برق رفتار خیالات کو اسقدر مقید اور محدود کر دیتا ہے کہ جس کو ہم بیان نہین کرسکتے۔

قانون فطرت کے موافق یہ خیالات کی بند شین اور قیدین مختلف پیرا

ایک گنوار یا جاہل مزدور کی دماغی آگاہی یا روح اسفل نہایت ہی محدود ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کا قلب صرف معمولی کام کاج ہی کی نسبت سوچتا ہی اور اس کے حرکات سطحی اور سست ہوتی ہین۔ مگر ایک اعلی درجہ کے تعلیم یافتہ شخص کے خیالات اسقدر وسیع اور سریع ہوتے ہین۔ جنھین موجودہ نمونہ کا دماغ تمام وکمال ظاہر کرنے کی قابلیت نہین رکھتا

اصطلاحی الفاظ کا غلط استعمال اور اسوجہ سے کتاب کے سمجھنے مین غلط فہمیان

اکثر دیکھا جاتا ہے کہ تصوف کے اصطلاحی الفاظ کے استعمال مین سخت غلطیان کی جاتی ہین اور اسوجہ سے کتب تصوف کے سمجھنے مین لوگون کو غلط فہمیان واقع ہوتی ہین۔ اگرچہ کہ اس مختصر کتاب مین اسقدر گنجائش نہین کہ ہم تفصیل وار الفاظ مصطلحہ کو بیان کردین تاہم اسوقت ہمین اسی قدر ضروری معلوم ہوتا کہ ہم یہان صرف روح۔ قلب اور نفس کے باہمی فرق کو بیان کردین۔

لوگ عموماً صرف اسی قدر جانتے ہین کہ انسان مین ایک روح ہی اور ایک جسم ہے۔ غرضکہ وہ روح کو اجمالاً اس کے تمام مراتب کے لئے استعمال کرتے ہین اور روح۔ قلب اور نفس کے استعمال میں ذرا بھی فرق اور امتیاز کو دخل نہین دیتے۔ نفس کو کبھی روح کی جگہہ

استعمال کرتے ہین۔ اور کبھی قلب کو نفس کی جگہہ۔ اسی طرح لوگ روح سفلی اور روح علوی کے استعمال مین بھی غلطیان اور بے تمیزیان کیا کرتے ہین۔

روح کا مقام اعلیٰ ہے اور نفس کا مقام اسفل ہے اور قلب ان دونون کے بیچ مین ہے۔ اور قلب اور نفس دونو روح کے مقامات تنزل ہین۔ جب وہ روح اس مادّی عالم مین مصروف ہوتی ہے تو اوسوقت اوس کو نفس کہتے ہین۔ اور جب وہ خدا کی جانب متوجہ ہوتی ہے تو وہ روح کھلاتی ہے۔ اور قلب روح کا وہ مقام ہے جس مین دونو جانب میلان کی خاصیت موجود ہے۔ پس قلب کا وہ حصہ جو نفس کے ساتھ ملکر کام کرتا ہے اسکو روح سفلی کہتے ہین۔ اور قلب کا وہ حصہ جو روح کے ساتھ ملجاتا ہے اور کام کرتا ہے وہ روح اعلیٰ کہلاتا ہے۔

گو ہم نے یہان ان اصطلاحات کو مختصراً بیان کردیا ہے۔ مگر انھین وہی لوگ سمجھ سکتے ہین جنھون نے مجاہدے اور ریاضت سے سلوک کے مقامات طے کئے ہین۔ جن اشخاص نے بغیر سلوک کے اپنے دماغ اور احساس ظاہری سے ان الفاظ کے معنی سمجھنے کی کوشش کی ہے اور اپنی روح سفلی کے ذریعہ سے سوچنے اور سمجھنے پر اکتفا کیا ہے۔ اونھون نے واقعی ان الفاظ کے معنون کو اچھی طرح نہین سمجھا ہے۔ کیونکہ محض کتابون کے پڑھنے اور اپنی جزوی عقل کو کام مین لانے سے کوئی شخص ان مقامات کا مشاہدہ نہین کرسکتا ہے جنھین یہ الفاظ ظاہر کرتے ہین۔ اگر کوئی شخص

راہ سلوک کے طے کرنے کے بغیر علم تصوف کو اپنی جزدی عقل سے دریافت
کرنا چاہے گا۔ تو وہ کبھی اس علم کو نہ سمجھے گا۔ اور اس کے دلائل اور
نتائج جو کچھ وہ از روئے منطق کے ترتیب دے گا غلط ہون گے۔ یہ
علم مشاہدہ کا ہے۔ کوئی خیالی یا استدلالی علم نہین ہے۔ اسی سبب سے
جو ایک ان پڑہ آدمی راہ سلوک طے کر لیتا ہے وہ ہر مقام کو اپنی
آنکہون سے دیکھتا ہے۔ اور اس کا بیان موثر ہوتا ہے۔ برخلاف
اس کے تمام علوم پڑہا ہوا آدمی بھی تصوف کے مسائل کے سمجھنے مین
معذور رہے۔ افسوس ہے کہ اس زمانہ مین بعض حضرات بغیر راہِ سلوک
طے کئے ہوئے قرآن شریف کی تفسیر لکھنے اور اس کے معنی بیان کرنے
کی جرات کر بیٹھتے ہین۔

روح کے افعال وخواص

سالکین طریقت کو معلوم ہے کہ تمام انسانون کی روح ایک ہے
جیسا کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔ یا ایہا الناس اتقوا ربکم الذی
خلقکم من نفسٍ واحدۃٍ وخلق منها زوجها وبث منهما
رجالاً کثیراً ونساءً ۔ یعنی اے لوگو ڈرو اپنے رب سے
جس نے تمہین ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اسکا جوڑا بنایا اور
ان سے بہت سے مرد اور عورتین پھیلائین۔ مگر اسی ایک روح کا ظہور
مختلف قالبون اور ظروف کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہوتا ہے۔

دماغ کی ساخت اور ہیت کے باعث سے اسی ایک روح کے افعال وخواص بھی بدل جاتے ہین ۔

اس بیان کی تصدیق اس واقعہ سے ہو سکتی ہے کہ جب کسی برقی آلہ مین تین قسم کے تار یا ظروف لگائے جاتے ہین ۔ تو اُس برق کا ظہور بھی تین اشکال مین ہوتا ہے ۔ حالانکہ برق وہی ایک شے واحد ہے مثلاً جب برق ایک ایسی شیشے کی نلی یا ٹیوب مین سے گزرتی ہے جسمین پارہ بھرا ہوا ہے ۔ تو صرف ایک نیل گون روشنی ظاہر ہوتی ہے ۔ اور جب چاندی کے تار مین سے گزرتی ہے ۔ تو حرارت پیدا ہوتی ہے اور جب تانبے کے تار مین سے گزرتی ہے تو ایک مقام سے دوسرے مقام مین حرکت یا فورس منتقل ہوتی ہے ۔ قوت تو ایک ہی ہے مگر تین آلات کے اختلاف سے اس مین بھی اختلاف پیدا ہو گیا ہے ۔

بجنسہ یہی حال انسانی روح کا بھی ہے ۔ کیونکہ جب وہ مقام عقل مین کام کرتی ہے ۔ تو خیالات پیدا ہوتے ہین اور جب وہ مقام نفس مین کام کرتی ہے تو خواہشات ۔ احساس اور محبت و نفرت ۔ حسد و عداوت وغیرہ پیدا ہوتے ہین اور جب وہ مقام اجسام یا مادے مین کام کرتی ہے تو افعال غیر ارادی جیسے دل اور عضلات کی حرکتین پیدا ہوتے ہین اور ان افعال غیر ارادی مین عادتین بھی شامل ہین ۔

ان افعال غیر ارادی سے جو جسم کے تمام اعضا مین پائے جاتے ہین ہمارے دماغ یا روح اسفل کو کوئی تعلق نہین ۔ کبھی کبھی ہمین کسی خاص موقع

اور محل پر ان افعال کا ادراک ہو جاتا ہے۔ مثلاً جب ناگہانی طور پر ہم پر
کوئی لاٹھی مارتا ہے۔ تو فوراً ہمارے علم اور ارادے کے بغیر ہمارے
دونون ہاتھ اوس لاٹھی کی طرف ہو جاتے ہین۔ روح اعلی کے ان تمام
ادراکات کو جو اعضائے جسم مین موجود ہین ہم احساس طبعی یا تحتی کہتے
ہین۔ جو روح ہمارے دماغ کے ذریعہ سے بحالت بیداری ظاہر ہوتی ہو
اور جو ہم مین سمجھتی اور بوجھتی ہے ہم اوس کو روح اسفل یا روح بالفعل کہتے ہین
اور جو روح عام طور سے ہمارے دماغ کے ذریعہ سے بحالت بیداری ظاہر
نہین ہوسکتی۔ اس کو ہم روح اعلی کہتے ہین اس روح کا ظہور اسی وقت ہوتا ہے
جب انسان فن مراقبہ سیکھتا ہے۔ اور حدیث نفس یعنی روح اسفل کے
افعال کو معطل کر دینے کی قوت حاصل کر لیتا ہے۔

الغرض روح کے تین رخ یا پہلو ہین اور ہر رُخ کے اعتبار سے ہم
اسکو تین قسمون مین منقسم کرتے ہین۔ اول قسم کو ہم روح طبعی کہتے ہین۔
کیونکہ وہی ایک روح جب اعضائے جسم مین کام کرتی ہے۔ تو اس کو یہ
نام دیا جاتا ہے۔ دوسرے قسم کو ہم روح بیدار کہتے ہین جو حالت بیداری
مین کام کرتی ہے۔ تیسری قسم کو ہم روح اعلی کہتے ہین جو بحالت مراقبہ
یا تعطل حواس خمسہ ظاہری ظاہر ہوتی ہے۔

روح طبعی جسکی افعال غیرارادی یا اضطراری ہوتے ہین

روح طبعی کے آلات اعصاب متاثرہ یا سمپیتھٹک نروس اور سیری برو

اسپائنیل سسٹم یا صلب کے بعض مرکز ہین جن کے ذریعہ سے اس کے افعال ظاہر ہوتے ہین۔ روح طبعی کے فرائض یہ ہین کہ وہ جسم کے سیلز یا ذرات کو انضباط مین رکھتی ہے۔ اور جسم کے مختلف اعضا کی افعال کو ترتیب دیتی ہے اور جو افعال بغیر ہمارے خیال کے ان اعضا سے اضطراری طور پر ظاہر ہوتے ہین۔ ان کی یادداشت کو بھی محفوظ رکھتی ہے۔

اسی روح طبعی کو ہم عادت۔ عقل حیوانی۔ خلق۔ افعال خلقی اور طبعی کے نامون سے موسوم کرتے ہین۔ مثلاً جب ہم لکھنا سیکھتے ہین۔ تو ہم کو لکھنے کی پہلی کوششون مین مشکل اور تکلیف محسوس ہوتی ہے اور ہمارا دماغ لکھنے کے فعل کو محسوس اور ادراک کرتا ہے۔ اور اسوقت لکھنا کا فعل ارادی ہوتا ہے۔ ہم قلم چلانے سے پہلے سوچتے اور لکھنے کا ارادہ کرتے ہین اور پھر بڑی مشکل سے ایک ایک حرف بناتے ہین مگر جب ہم ایک مدت تک اس لکھنے کے عمل کو جاری رکھتے ہین اور لکھنے مین ہمین پوری مشاقی حاصل ہو جاتی ہے تو اوسوقت کوئی دشواری محسوس نہین ہوتی اور خیال اور ارادہ دونو غائب ہو جاتے ہین۔ اور لکھنا فعل غیرارادی یا اضطراری ہو جاتا ہے یعنی خود بخود ہاتھ حرکت کرتا اور قلم لکھتا ہے اور دماغ اوس کی طرف مصروف نہین رہتا۔ بلکہ وہ ان خیالات اور احساس کی جانب متوجہ ہوتا ہے۔ جنھین وہ لکھنا چاہتا ہے اسی طرح سے جب کوئی سائیکل پر چڑھنا سیکھتا ہے۔ تو پہلے اسکی

ساری توجہ اور خیال اس بات پر رجوع رہتا ہے کہ سائیکل ادہر اُودہر ہو جائے
اور کسی دیوار یا درخت سے نہ ٹکرا جائے۔ مگر مشق سے یہ خیال جاتا رہتا ہے
اور ہم بے تکلف اس پر ہر جگہہ چڑہے پھرتے ہین۔ اس طرح یہ توجہ دماغ
یا روح بیدار سے روح طبعی کی طرف منتقل ہو جاتی ہے اور روح طبعی
خود اس کام کو کرنے لگتی ہے جس کو پہلے دماغ کیا کرتا تھا۔ اس وقت
ہمارا دماغ یا روح بیدار سائیکل کی ذمہ واری سے بری الذمہ ہو جاتی ہے۔
مگر جب کوئی سائیکل پر خوب چڑہنے والا شخص پہلی بار کسی ٹرائسکل پر
سوار ہوتا ہے۔ تو اسوقت اسکی حالت قابل ملاحظہ ہے۔ کیونکہ سائیکل اور
ٹرائسکل کے چڑہنے مین ایک قسم کا فرق ہے۔ سائیکل مین تو وزن درست
رکھنے کے لئے جسم کو برابر رکھنا پڑتا ہے اور ٹرائسکل مین صرف ہنڈل بار ہی
کی جانب توجہ رکھنی پڑہتی ہے۔ چونکہ اب اسکو ایک نئی عادت کرنی
پڑتی ہے۔ اس لئے اسے پہلی پہل ٹرائسکل پر چڑہنا دشوار ہوتا ہے اور
وہ اس لوہے کے گھوڑے کو کسی خندق یا نالی مین گرا دیتا ہے۔
جب مشق سے کوئی حرکت طبعی ہو جاتی ہے۔ تو پھر اس کو چھوڑ کر
دوسری نئی حرکت کی عادت ڈالنے مین وقت لگتا ہے۔ کسی حرکت کو
طبعی اور غیر ارادی بنانے کے لئے ضرور ہے کہ ایک عرصۂ دراز تک اس
حرکت کی مشق کی جائے۔ پہلے تو اس حرکت کے کرنے مین خیال اور ارادے
دونون سے کام لیا جائے گا بعد ازان رفتہ رفتہ مشق اور اکتساب یہ
دونون باتین جاتی رہین گی۔ اور پھر وہ حرکت طبعی اور غیر ارادی ہو جائیگی

سالکین اسی اصول کی بنیاد پر عمدہ اخلاق اور عادات اور دیگر کمالات روحانی حاصل کرتے ہین اور یہی عام اصول ہے جس پر تمام دینوی اور دینی کمالات منحصر ہین۔

روح اعلی

روح اعلی سے اعلی درجہ کے خیالات اور احساس پیدا ہوتے ہین جو معمولی دماغون مین اتر کر نہین آتے۔ کیونکہ عوام الناس کے دماغ اسقدر مقید اور محدود ہوتے ہین کہ وہ ان عالی خیالات اور احساس کو جذب نہین کرسکتے اور نہ ان مین ان کے ظہور کی قابلیت اور صلاحیت ہوتی ہے۔ اسی روح اعلی سے اولیا اللہ اور نبیون اور مشاہیر اشخاص کے دماغون مین القاء واردات اور انکشاف ہوتے ہین اور لوگ ان سے فوائد کثیر حاصل کرتے ہین۔ ہماری زندگی کا اعلیٰ رخ انھین خیالات اعلی کی ایک تصویر ہے۔ جب تک کسی شخص مین یہ روح اعلیٰ پائی نہ جائے اسوقت تک واقعی وہ انسان کہے جانے کے لایق نہین۔ اگر کسی آدمی مین یہ روح اعلی موجود نہ ہو۔ تو کہا جائے گا کہ وہ صرف قالب انسانی تو رکھتا ہے۔ مگر یہ قالب روح انسانی سے خالی ہے۔ ایسی صورت مین وہ ہڈیون۔ عضلون۔ اور رگون کا ایک مجموعہ ہوگا جیسے کہ اور حیوان ہوا کرتے ہین۔ جس دماغ مین خیالات اعلیٰ نہ پائے جائین تو وہ صرف سفید گوشت یا مغز کے ایک کردی گولے سے زیادہ وقعت نہین رکھتا۔

انسان روح اعلیٰ کا نام ہے ۔

بعض اوقات روح اعلیٰ سے دماغ مین اعلیٰ درجہ کے خیالات کا سرچشمہ بہنے لگتا ہے ۔ اور یہ احساس اور خیالات عالیہ اکثر موسیقی دان اشخاص اور شاعرون کے دماغون سے ظاہر ہوتے ہین ۔ اسی واسطے فرمایا گیا ہے کہ الشعراء تلامذالرحمٰن یعنی شاعر حضرت رحمان کے شاگرد ہین ان خیالات اور احساس کی خوبصورتی اور تناسب سے وہی لوگ لطف حاصل کرتے ہین جنھین فنون لطیفہ سے کچھ بہرہ ہوتا ہے ۔ بعض وقت اسی روح کے اعلیٰ مقام سے بعض اشخاص کے دماغ مین جرات اور ہمت ظاہر ہوتی ہے اور وہ دوسرون کی جان بچانے کے لئے اپنی جانون کو جوکھم مین ڈالدیتے ہین ۔ اور بعدازان بہادر اور سورما کے لقب سے ملقب ہوتے ہین ۔ یہی روح اعلیٰ تھی جس نے مجاہدین کو ہر ایک مذہب و ملت مین شہیدون کا خطاب دلایا اور جس نے ایک بہادر جنرل کی طرح جہاد اکبر یعنی نفس کشی مین ان سے اعلیٰ درجہ کی ریاضتین اور مجاہدے کرائے ۔

عالم مثال کے تجربون کی یاد

بعض اوقات جب ہم رات کو خوب آرام سے سوکر جاگتے ہین ۔ تو ہمین اپنے وہ تجربے یاد رہتے ہین جنھین ہم نے بحالت غفلت عالم مثال مین حاصل کئے تھے مگر یہ بات عام نہین کہ جو کچھ خواب ہم رات کو دیکھین وہ ہمین صبح کو یاد رہین اکثر جو کچھ ہم عالم مثال مین بحالت غفلت دیکھتے ہین وہ ہمکو یاد

نہین رہتا۔ کیونکہ دل مین دن بھر کے کامون کے ادہورے خیالات یا اون کے ٹوٹے پھوٹے مختلف تصورات منتشر طور پر جمع رہتے ہین۔ دماغ کوئی خود سوچنے سمجھنے والی چیز نہین ہے۔ جس بات یا جس خیال پر وہ لگایا جاتا ہے اور جس خیال کی حرکت اس مین پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی کو وہ کل کی طرح دہرایا کرتا ہے۔ جب دل کسی خاص طرف متوجہ رکھا نہین جاتا اور وہ اپنی حالت پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ تو دماغ مین کوئی زوردار خیالات یا تصورات پیدا نہین ہوتے۔ اور ایسی صورت مین ہمارے خیالات نہایت ہی متلون اودہورے۔ ناقص اور بے نتیجہ ہوا کرتے ہین اور کوئی فائدہ نہین دیتے۔ جیسے کوئی چشمہ پہاڑ سے گر کر ایک بہت بڑے ریت کے میدان مین چارون طرف پھیل جائے تو اُس پانی سے ایک گھانس کا تنکا بھی نہ بہے گا۔ مگر جب وہی پانی ایک چھوٹی نہر مین ڈالا جاتا ہے۔ تو اوس مین کشتیان چلنے لگتی ہین اور تمام ملک کی زمین سرسبز ہو جاتی ہے۔

طبعاً جب ہم خواب یا سونے سے بیدار ہوتے ہین اور ہماری روح اس عالم غیر مرئی سے پھر اس قالب مین داخل ہوتی ہے تو ہم اپنے دماغ کو طرح طرح کے خیالات ناقص اور نامکمل سے بھرا ہوا پاتے ہین۔ جن کا دور کرنا مشکل ہے مگر تھوڑی سی محنت اور توجہ سے دماغ کو ایسا تربیت کر سکتے ہین کہ جو کچھ سونے کی حالت مین ہم عالم مثال مین دیکھین وہ ہمین بحالت بیداری یاد رہے۔ اور ہم اس سفر آخرت سے جو ہمین ہر روز درپیش ہوا کرتا ہے فوائد کثیر اُٹھایا کرین۔ بعض معمولی آدمیون کو بھی باوجود اس کے کہ ادن کے دماغ کو

کوئی تربیت نصیب نہین ہوئی ۔ عالم مثال کے واقعات یعنی خواب یاد رہتے ہین۔ اور اسی وجہ سے انھین کبھی سچے خواب بھی پڑتے ہین۔ سچے خواب واقعات مثالی ہین جو بجنسہ ہمین بعد بیداری یاد رہتے ہین۔

آیندہ واقعات کا مشاہدہ

عوام الناس بڑی مشکل سے اس بات کو باور کرسکتے ہین کہ انسان آیندہ ہونے والے واقعات کو بعینہ خواب یا حالت مراقبہ مین دیکھہ سکتا ہے اور اس کوان واقعات کی پوری یاد بیداری کے بعد رہ سکتی ہے۔

اگر ہم ایک چھوٹی سی پہاڑی پر کھڑے ہون جس کے اطراف ایک ریلوے لائین واقع ہے اور ہم دیکھین کہ دونون طرف سے دو ریلین اسی ایک پٹری مقابل کے سمتون سے آرہی ہین۔ تو ہم عقل سے یہ دریافت کرسکتے ہین کہ کس مقام پر کس وقت ان مین تصادم واقع ہوگا اور آپس مین ٹکر کھائینگی۔ حالانکہ جو لوگ ان ریلون مین سوار ہون گے انھین اس آیندہ واقع کی ذرا بھی پہلے سے خبر نہ ہوگی۔

اسی طرح جب ہم عالم مثال مین ہوتے ہین جو بمنزلہ پہاڑ کے ہے۔ تو ہمین اہل دنیا کے آیندہ واقعات اپنی باطنی آنکھہ سے نظر آتے ہین۔ اور ہم انھین دیکھہ کر آیندہ کی نسبت پیشین گوئی کرسکتے ہین۔

عالم آخرت سے تعلق پیدا کرنا یا عالم ملکوت

اور جبروت کا کھل جانا

جب ہم سخت مجاہدے اور ریاضت سے اپنے جسم و ملغ اور اعصاب کو ظاہرا اور پاک کرتے ہین اور اس مین عالم آخرت کی تار برقیان رسیو یا وصول کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ تو اوس وقت ہماری باطنی نظر کھل جاتی ہے اور ہمین اسرار غیبی دکھائی دینے لگتے ہین۔ مگر یہ باطنی قوت حسب خلاقت ہر شخص مین مختلف ہوتی ہے۔ یہ قوت خلقی طور پر ہر آدمی مین موجود ہے۔ مگر اسکے ظہور اور نمو و ترقی کے لیے اکتساب اور مجاہدے کی ضرورت ہے معمول اور اس ذاتی قوت مین فرق یہ ہے کہ معمول بنانے کی حالت مین ہم دوسری روحون سے کام لیتے ہین۔ اور اپنی ذاتی قوت سے ہم خود عالم مثال کی سیر کر سکتے ہین معمول صرف ایک درمیانی شخص ہے جس کے ذریعہ یا وساطت سے ارواح عالم مثالی کے حالات بیان کرتی ہین۔ اور ہم اپنی باطنی ترقی سے خود عالم مثال کی اشیا کو دیکھتے ہین۔

قدیم زمانہ سے ہندوستان مین اس باطنی قوت کو ترقی دینے کے دو ہی ذریعہ رائج ہین۔ ان مین سے ایک تو وہ ہے جس کو ہم "ہٹ جوگ" یعنی نفس کشی کہتے ہین۔ اس طریقہ کا اصل اصول یہ ہے کہ بعض جسمانی اکتساب اور اشغال کے ذریعہ سے جسم اور حواس خمسہ کے احساس اسقدر معطل کر دیے جائین کہ ان مین خارجی اشیا کی تحریک ہی پیدا نہ ہو۔ جیسے آنکھون یا کانون کا بالکل بند کر لینا وغیرہ ہے۔ چونکہ ہٹ جوگ صرف جسم ہی سے تعلق رکھتا ہے اس لئے اس کے اکتساب سے صرف ابتدائی باطنی قوت ظاہر ہوتی ہے۔

اور باقی قوائے دماغی مین ترقی نہین ہوتی۔ اور روحانی قوتین بدستور سابق
پست حالت مین رہتی ہین۔

عالم آخرت کے انکشاف کا دوسرا طریقہ راج جوگ ہے۔ یہی وہ طریقہ ہے
جس کے وزریعہ سے تمام روحانی اور قلبی قوتین ترقی کرتی ہین۔ اور اس
جوگ کے وزریعہ سے جس کو ہم مراقبہ کہتے ہین انسان اپنی توجہ اور قوت ارادی کو
اسقدر ترقی دیسکتا ہے کہ وہ جب چاہے اپنی توجہ کو اس عالم مادّی سے
ہٹاکر دوسرے عالم یا مثال وغیرہ کی طرف کرلے اور اس تدبیر سے وہ غیر مری
عالمون مین حسب دلخواہ پہنچ جائے۔ اور ان کی اشیا کو اپنی باطنی آنکھہ سی مشاہدہ کرے۔

فصل ۲۔ عالم مثال کے دیکھنے کی ادنی ابتدائی قوت

عالم مثال کے دیکھنے کی ادنی ابتدائی قوت قدیم قوم اطلانت مین

بڑے بڑے کامل مرشدون اور مہاتماؤن نے اپنے علم باطن سے
یہ دریافت کیا ہے کہ نہایت ہی قدیم زمانہ مین ایک بہت وسیع براعظم
آباد تھا جو اس ہمارے زمانہ مین غرق آب ہے اور ہم اس سمندر کو جو
اس آبادی پر موج زن ہے بحر اطلانت کہتے ہین۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ اس
وسیع مقام پر ہزارون شہر اور گاؤن آباد تھے۔ انگورون اور دیگر میوجات کے
سرسبز باغات اپنی خوشنمائی سے دلون کو تر و تازہ کرتے تھے۔ اور ہرے ہرے

لہلہاتے کھیت کوسون مسلسل نظر کو اپنے دلفریب منظر سے سرور بخشتے تھے۔
ہرنون کے گلے اور شیر چیتون کے تنہا مقام جنگلون اور جھاڑیون مین بکثرت
دکھائی دیتے تھے۔ اور آج وہ زمانہ ہے کہ جدہر نظر اوٹھاؤ سوا پانی کے
اور کچھہ نظر ہی نہین آتا۔ وہ سارا خوشنما منظر نظرون سے غائب ہوگیا۔ نہ
وہ تمدن رہا اور نہ وہ تہذیب و شایستگی۔ کل من علیہا فان ویبقا وجہ ربک
ذوالجلال والاکرام۔ نہ وہ انسان رہے اور نہ وہ اون کے مکانات او
مصنوعات رہے۔ آخر کو وہی ایک ذات جو ہمیشہ تھی اور ہمیشہ رہیگی
باقی رہی۔ اگرچہ کہ یہ قدیم زمانہ کی تہذیب بعض لحاظ سے اس ہمارے زمانہ
کی شایستگی سے بڑہی ہوئی تھی۔ مگر اس کے مظالم اور گناہون اور نافرمانیون نے
اس قدر وسیع ملک کو غرق آب خجالت کر دیا اور دنیا کو یہ دکھا دیا کہ خداوند تعالی
عادل حقیقی ہے جو کچھہ خرابی اور تباہی آتی ہے وہ انسان کے اعمال بد کا نتیجہ ہی
شعر۔ ہرچہ بر تو آید از ظلمات وغم ٭ این ز بیباکی و گستاخیست ہم
اتھین غیبی رجسٹرون اور باطنی انکشافون سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ
اس براعظم مغروق کے باشندون پر عالم مثال کھلا ہوا تھا۔ اور وہ اپنی آنکھون سے
اس کو اسطرح دیکھتے تھے کہ انھین یہ دنیا اور عالم مثال دونو باہم ملے ہوئے
دکھائی دیتے تھے۔ مگر اس قوم کے عقلی قواین کوئی زیادہ ترقی نہ تھی۔ انکی
دماغ اس قدر ترقی یافتہ نہ تھے جسقدر کہ اس ہمارے زمانہ کے دماغ ہین۔
ان مین بہ نسبت عقل کے احساس زیادہ تھے۔ وہ سوچتے کم تھے۔ مگر محسوس
زیادہ کرتے تھے۔ وہ کسی ایک بات کو دیر تک سوچنا اور اون کے اسباب

و نتائج پر غور کرنے کی زیادہ قابلیت نہین رکھتے تھے۔ مگر وہ جلدی مشتعل ہوجانے اور زیادہ عشق نفرت سے جوش مین آجانے کی بہت زیادہ قابلیت رکھتے تھے۔

اب یہان پر خود بخود یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کے دماغ اور اعضائے جسمانی کی ساخت مین ایسی کون سی خصوصیت تھی کہ انھین عالم مثال خلقتاً کھلا ہوا تھا۔

انسانی جسم مین عالم مثالی کے مرکز

اکثر اشخاص جو فن تشریح یا جراحی سے واقف ہین انھین معلوم ہے کہ انسان کے جسم مین دو قسم کے اعصاب ہین۔ ان مین سے ایک کو تو سیری برو سپائنل کہتے ہین جس مین دماغ اور حرام مغز شامل ہے اور دوسرے کو اعصاب ہمدردی (سمپیتھٹک نروس) کہتے ہین۔ یہ اعصاب ریڑھ کے مہرون کی دونو جانب واقع ہین اور ان سے باریک اعصاب کا جال نکلکر جسم کے دونو جانب پھیلا ہوا ہے۔ کہین کہین ان اعصاب ہمدردی کا جال بہت باریک اور گنجان ہوگیا ہے۔ جنھین اہل تشریح عقد (پلیکسس) کہتے ہین۔ ان گانٹھون مین سے عقد شمسی (سولر پلیکسس) زیادہ مشہور و معروف ہے۔ مگر اہل تشریح یا ڈاکٹرون کو ان عقود یا چکرون کی باطنی خصوصیت ذرا بھی معلوم نہین۔ وہ یہ نہین جانتے کہ ہر چکر یا عقد عالم مثال سے ایک بہت بڑا ربط رکھتا ہے اور انھین چکرون پر عالم اجسام اور عالم مثال دونون باہم اتصال

قوی رکھتے ہین - قوم اطلانٹ مین یہی چکر زیادہ ترقی کر گئے تھے - اور بحیثیت اجتماعی تمام اعصاب ہمدردی ان مین پورے طور پر نمایان تھے - اور انھین ابھرے ہوئے اور ترقی یافتہ چکرون اور اعصاب ہمدروی کے ذریعہ سے عالم مثال کی تحریک بکثرت اُن تک پہنچتی تھی - اور وہ عالم مثال کی چیزون کو اس عالم مادی کی اشیا کی طرح بخوبی دیکھتے تھے - ان کی روحانی آگاہی یا توجہ ان ابھرے ہوئے اعصاب ہمدروی مین اسی طرح کام کرتی تھی جسطرح کہ وہ اون کے غیر ابھرے یا ناتربیت یافتہ دماغون مین کام کرتی تھی - اور اس کارروائی کا نتیجہ صرف یہی نہ تھا کہ ان پر عالم مثال کھلا تھا - بلکہ اس کے ساتھ یہ بات بھی تھی کہ آجکل جو باتین ہم مین امور طبعی یا غیر ارادی ہین وہ انھین طبعی نہ تھین بلکہ ارادی اور فکری تھین - مثلاً حرکت قلبی جو ہم مین ایک امر طبعی یا غیر ارادی ہے یعنی خود بخود قلب کی حرکت ہوتی رہتی ہی یا معدہ کا فعل ایک امر طبعی ہے جو اپنے آپ واقع ہوتا رہتا ہے یہ سب امور طبعی اس قوم اطلانٹ کو غیر طبعی تھے - یعنی ان کی حرکت قلب و معدہ حرکت ارادی تھی - اور انھین بالارادہ قلب اور معدے کو حرکت دینا پڑتا تھا اور وہ قلب اور معدہ کی حرکت کو محسوس کرتے تھے -

گو قوم اطلانٹ پر عالم مثال کھلا ہوا تھا - مگر اس عالم اور اس دنیا دونو کی تصورات اور معلومات اُن کے ذہنون مین اجمالی اور سطحی تھے - کوئی تفصیلی علم انھین دنیا کا یا عالم مثال کا حاصل نہ تھا - جو اس زمانہ کے ایک سالک کو حاصل ہوتا ہے ایک باضابطہ تربیت یافتہ سالک مخصوص چکرون کو کام مین لاتا ہے اور اس

غیر مرئی دنیا کی اشیا کو تفصیل وار دیکھتا ہے۔ یہ مخصوص چکر یا مرکز دماغ سے تعلق رکھتے ہین اور انھین عالم مثال اور دیگر عالمون کے ساتھ ایک خاص خصوصیت ہے۔

قوائے عقلی کی ترقی

صدہا برسون کے گذرنے کے بعد انسان کے قوائے دماغی مین ترقی ظاہر ہوئی ہے۔ اور اس عقلی ترقی کے مطابق دماغ کے مادے اور ساخت مین بھی ترقی ہوئی ہے۔ اور ساتھ ہی اس ترقی کے اعصاب ہمدردی کے افعال اور احساس بتدریج طبعی اور غیر ارادی ہوگئے ہین۔ کیونکہ اب دماغ یا فکر سے ان کی ذمہ داری یا خبرداری کا بار اُٹھ گیا ہے۔ قوائے عقلی اور فکری کا نمو اور قوائے اعصاب ہمدردی کی جگہہ پر ان کا قایم ہونا ہزارون اور لاکھون برس کے عرصۂ اکتساب مین تکمیل کو پہنچا ہے۔ اور اب تک باوجود اس مدت دراز کے ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہین جن کے قوائے عقلی اسقدر پست اور ناترقی یافتہ ہین کہ ہمین اس گذشتہ مفقود قوم اطلانٹ کی یاد دلاتے ہین۔ جن مین عقل تو کم تھی۔ مگر احساس زیادہ تھے۔ یہ کچھ کم تعجب کی بات نہین کہ قوم اطلانٹ کو فنا ہوئے لاکھون برس کا زمانہ گذرا اور اب تک بعض قوائے احساس کی وہی ابتدائی حالت قایم ہے۔

لوگون کو اکثر اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ بعض اشخاص مین احساس تو زیادہ ہین مگر وہ عقل تو آمیین معمولی آدمیون سے زیادہ نہین۔ ان کی عقلیت

ایسی روشن نہین جیسے کہ ان کے احساس ۔ وہ مقدمات منطق کو ترتیب دے نہین سکتے ۔ مگر ان مین احساس کا مادہ بہت بڑھا ہوا ہے ۔ یہ بات کوئی تعجب کی نہین ۔ اس لئے کہ ان کے قوائے عقلی مین ابھی زیادہ ترقی نہین ہوئی اس ترقی کے لئے انھین اس دار فانی مین صدہا مرتبہ مر مر کے پیدا ہونا پڑیگا اور بتدریج ان کے قوائے عقلی نشو کرین گے ۔ اور یہ ابتدائی حالت دماغی غائب ہو جائے گی ۔ اور اس کی جگہہ عقلی قوا کی ترقی پیدا ہوگی ۔

معمولی آدمیون مین جن کی تمدنی یا عقلی ترقی کسی قدر ہوئی ہے ۔ یہ عالم مثال کے دیکھنے کی قوت بتدریج کم ہوتے ہوتے مفقود ہو گئی ہے ۔ اور اس کے ساتھ ہی دماغی اور عقلی ترقی بالمناسبت ظاہر ہوئی ہے ۔ یعنی جس قدر عقل ترقی کرتی جاتی ہے ۔ اسیقدر عالم مثال کے دیکھنے کی قوت گھٹتی جاتی ہے ۔ مگر یہ عقلی ترقی انسان کو کوئی ایک زندگی یا جنم مین حاصل نہین ہوئی ۔ بلکہ صدہا زندگیون اور جنمون مین وہ اس مقام پر پہنچا ہے ۔ اس بیان سے اس بات کی تشریح اور توجیہ بخوبی کی جا سکتی ہے کہ اس ہمارے زمانہ مین بعض اشخاص ایسے موجود ہین جن کے قوائے عقلی تو بہت ہی گھٹے ہوئے ہین ۔ مگر وہ خلقتاً عالم مثال کے دیکھنے کی قوت رکھتے ہین ۔ بعض اوقات ہمارے دل مین خود بخود پریشانی اور بیقراری محسوس ہوتی ہے ۔ جسکو ہم طبیعت کا گھبرانا کہتے ہین ۔ اور یہ پریشانی اور گھبراہٹ کسی آیندہ مصیبت یا حادثہ کی پیشین گوئی کرتی ہے ۔ مگر ہم اس بات کو ذرا بھی نہین سمجھتے ۔ اور اپنی اس قوت ادراک مثال سے بالکل بے خبر ہین ۔

ممکن ہے کہ بعض اشخاص ہمارے اوپر کے بیان کو تسلیم نہ فرمائین۔
جسکی بنیاد انکشاف اور علم لدنی پر ہے۔ اس لئے ہمین مناسب معلوم ہوتا ہے
کہ انکی تشفی کسی عقلی دلیل سے کردی جائے۔
علم حیوانات کے ماہرون نے اس بات کا مشاہدہ متواتر کیا ہے کہ
بعض جانور طوفان یا کسی حادثہ کے واقع ہونے سے پہلے اس سے واقف
ہوجاتے ہین۔ جیسے کہ اونٹ عربستان کے ریتلے میدانون مین جب طوفان
ہوا آنے والا ہوتا ہے تو ریت مین اپنے منہ چھپا لیتے ہین۔ اسی طرح کتے
اور بلیان جب کوئی زلزلہ آنے کو ہوتا ہے۔ تو کسی پناہ کی جگہہ چھپ جاتی
ہین۔ الغرض اکثر حیوانات آیندہ کے حوادث اور آفات سے پہلے ہی واقف
ہوجاتے ہین۔ جس سے بخوبی ثابت ہے کہ ان پر عالم مثال کھلا ہوا ہے۔
مگر انسان عام طور پر ان حوادث وہر سے اس وقت تک واقف نہین
ہوتے جب تک وہ ظہور مین نہ آجائین۔ ظاہر ہے کہ آدمیون مین حیوانات
کی نسبت دماغ ترقی یافتہ ہے۔ مگر قوائے احساس کم ہین۔ اسی طرح جنگلی
قومون مین بعض اشخاص پر عالم مثال کھلا ہوا ہے۔ مگر عقلین ان مین کم
ہین۔ برخلاف اس کے شہری اور تمدنی اشخاص مین قوائے احساس
نہایت ہی کم زور ہین اور بہت ہی کم ان مین عالم مثال کے دیکھنے کی قوت
پائی جاتی ہے۔
کہا جاتا ہے کہ نوزائیدہ بچے پر عالم مثال کھلا ہوتا ہے اور وہ پہلے اسی کو
دیکھا کرتا ہے۔ اور جس قدر اس کے حواس ظاہری ترقی کرتے جاتے ہین

اور اس مادی عالم کی طرف متوجہ ہوتا جاتا ہے اسی قدر عالم مثال اس کی نظر و نا
سے غائب ہوتا جاتا ہے ۔ بعد ازان حواس خمسہ اور دماغ کی ترقی کے ساتھ
اس مین عالم مثال کے دیکھنے کی قوت سلب ہوتی جاتی ہے ۔ یہ سب
واقعات جن کی تکذیب کی کسی کو جرات نہین ہوسکتی اس پر پوری شہادت
دیتے ہین کہ دنیا مین قوم اطلانٹ موجود تھی اور اس پر عالم مثال کھلا ہوا
تھا اور دماغی ترقی اور تمدن اور معاشرت انسانی کے ساتھ ساتھ اس
قوت دید مثال مین زوال ہوتا گیا ہے ۔

درمیانی حالت

اس زمانہ مین انسان کی حالت درمیانی ہے ۔ واقعی اس کو دماغی اور
عقلی ترقی حاصل ہوئی ہے مگر ساتھ ہی اس کے اسکی وہ عام ابتدائی باطنی نظر
جاتی رہی ہے جس سے بالاجمال وہ عالم باطن یا مثال کا مشاہدہ کرتا تھا ۔
اگرچہ بعض اشخاص نے اس زمانہ مین عالم مثال کی وہ تیز نظر پیدا کی ہے جو
اس کے تفصیلی حالات سے لطف اٹھاتی ہے ۔ جو لوگ اس عنصری
قالب کے ساتھ عالم باطن یا مثال مین رہنے کی عادت کرتے ہین انھین کی
نظر باطنی کھل جاتی ہے اور وہ عالم آخرت کو اپنی آنکھون سے دیکھتے ہین
اور اب وہ زمانہ قریب آگیا ہے کہ اکثر اشخاص مین عالم مثال کے دیکھنے کی
باطنی نظر اچھی طرح سے پیدا ہوجائے گی ۔ کیونکہ اکثر اشخاص کے دماغ اور
اعصاب ترقی کر چکے ہین ۔ اور ان کی قلبی اور روحانی قوتین نمودار ہو چکی ہین

اور ان مین اسقدر قوت ارادی کا ظہور ہوچکا ہے کہ اب وہ عالم مثال کے مشکل اور دقیق مسائل کو بخوبی سہولت کے ساتھ حل کرسکتے ہین۔

اس زمانہ مین ہمین اختیار ہے کہ ہم یا تو آگے بڑھین اور ترقی کرین یا تنزل کرین اور پیچھے ہٹین۔ اگر ہم اپنی باطنی نظر کو ترقی دین گے اور اعلیٰ درجہ کے روحانی قوتین حاصل کرین گے۔ تو ہمین ترقی نصیب ہوگی۔ اور اگر اسی ابتدائی نظر کو پھر از سر نو لوٹا لائین گے۔ تو واقعی ہمین ایک قسم کا تنزل ہوجائیگا جنھون نے روحانی قوا کا اکتساب پورے طور سے کیا ہے۔ اور کسی مرشد کامل کی نگرانی مین راہ سلوک کے مختلف مقامات طے کئے ہین۔ وہ اس بات کو اچھی طرح جانتے ہین کہ آج کل عالم مثال کے کھلنے کے جو طریقے یورپ اور امریکہ مین شائع ہین ان سے کوئی روحانی ترقی نہین ہوتی۔ بلکہ وہ تو الٹا ہمین اور پیچھے کی طرف لے جاتے ہین۔ اس مین کوئی شک و شبہ نہین کہ ان طریقون سے عالم مثال کے اسفل طبقات بہت جلدی اور آسانی سے کھل جاتے ہین۔ برخلاف اس کے اعلیٰ درجہ کی باطنی نظر مدتون اور وقتون کے بعد کھلتی ہے۔ ان دونون طریقون مین جو یورپ اور ہندوستان مین رائج ہین فرق اتنا ہی ہے کہ ایک تو جلدی کی راہ ہے اور ایک دیر کی۔ صرف جلدی اور دیر کا فرق ہے مگر جو ترقی دیر مین ہوتی ہے وہ اعلیٰ درجہ کی ہے۔ اور جو جلدی ہوتی ہے وہ محض ملمع کاری اور نمائشی ہے۔

اور دوسرے چکر اور مرکز

ان مرکزون اور چکرون کے علاوہ جن کا ذکر ہم اوپر کرچکے ہین دوسرے اہم

مرکز اور چکر بھی ہین جو عالم مثال کے دیکھنے کے لئے بعض اوقات استعمال کئے جاتے ہین۔ علم افعال اعضا (فزیالوجی) سے دریافت ہو چکا ہے کہ حواس خمسہ مین سے ہر ایک آلۂ حس اعصاب کے وزلیعہ سے دماغ سے ملا ہوا ہے اور ہر حس کا مرکز دماغ مین موجود ہے۔ مگر یہ بات ڈاکٹرون اور طبیبون کو معلوم نہین کہ ہر مرکز دماغی کا ایک مرکز مثالی بھی موجود ہے۔ اور ان مثالی مرکزون اور دماغی مرکزون مین اتصالی تعلق ہے۔ اور اس طرح جسم کثیف جسم لطیف سے ربط اور ضبط رکھتا ہے۔

جب شعاعِ آفتاب آنکھ پر پڑتی ہے تو آنکھون کے اعصاب بینائی کو حرکت ہوتی ہے اور یہ تحریک انھین اعصاب کے وزریعہ سے دماغ کے مرکز بینائی کو پہنچتی ہے۔ یہ تحریک یہان ختم نہین ہو جاتی۔ بلکہ دماغ مثالی کے مرکز بینائی تک پہنچتی ہے اور وہان شعاع کی روشنی اور رنگ محسوس ہوتے ہین۔ تمام احساس وجود مثالی مین پیدا ہوتے ہین۔ جسم عنصری کسی چیز کو محسوس اور معلوم نہین کرتا۔ صرف جسم مثالی ہی ہر شے کو محسوس کرتا ہے۔ کیونکہ مادی دماغ محض ایک آلہ ہے جس کے توسط سے خارجی تحریک باطن کو پہنچتی ہے اور باطنی تحریک خارجی یا ظاہری جسم تک آتی ہے۔ مگر یہ نقل و حرکت نہایت ہی سریع اور قوی ہے۔

آلات حواس خمسہ مین سے ہر آلۂ حس یعنی ناک۔ کان۔ آنکھ وغیرہ کا ایک مرکز مادی دماغ مین اور ایک مرکز وجود مثالی مین موجود ہے۔ مگر اس سے مطلب یہ نہین ہے کہ عالم طور پر یہ مثالی مرکز کوئی آلات احساس ہین اور ہماری

ناک ۔ کان اور آنکھہ کی طرح شکل وصورت رکھتے ہین عموماً وہ تو صرف
ایک قسم کے تعلقات ہین جن کے ذریعہ سے روح تک خارجی تحریک
پہنچتی ہے ۔ مگر جب بعض اعمال و اشغال کیئے جاتے ہین جنھین ہم آیندہ
فصل مین بیان کرین گے ۔ تو اسوقت مشق اور اکتساب سے یہ مثالی
مرکز یا چکر ترقی کر جاتے ہین ۔ اور ابتدائی مثالی چشم وگوش مین ظاہر ہوتے
ہین ۔ جنھین باطنی آنکھہ اور کان کہتے ہین ۔ انھین ابتدائی باطنی چشم و
گوش کے وزریعہ سے ہم عالم غیب کی اشیا کا معائنہ کرنے لگتے ہین ۔ اور
ہمارا دماغ ان غیبی معلومات کو یاد رکھتا ہے ۔ اور اس وقت یہہ کہا
جا سکتا ہے کہ ہم پر عالم مثال کے طبقات کھل گئے ۔

دوسری آنکھہ یعنی چشم باطنی

یہی وہ چشم بصیرت یا باطنی آنکھہ ہے جس کو اہل سلوک اپنی محنت
اور ریاضت سے پیدا کیا کرتے ہین اور بعض اوقات عام لوگون
کو بھی جنھون نے کوئی ذکر و شغل نہین کیا یہ آنکھہ نصیب ہو جاتی ہے
بعض نیک اشخاص اور پرہیز گار مرد اور عورتین ایسی پائی جاتی
ہین جنھین خود بخود بغیر کسی معین اور مقررہ طریقۂ سلوک کے یہہ
چشم وگوش باطنی نصیب ہین ۔ ان لوگون مین مثالی مرکز اس قدر
ابھرے اور نمو کیئے ہوئے ہین کہ وہ اپنے سامنے عالم مثال
کے لوگون اور اشیا کو دیکھتے ہین ۔ بعض اشخاص کو صحیح خواب

پڑتے ہین اور بعض آنکھین بند کر لینے سے عالم مثال کی چیزون کو دیکھتے ہین۔ اور بعض کھلی آنکھون سے اس عالم مثال کا معائنہ کرتے ہین۔ چونکہ دنیا کا ہر ایک واقعہ پہلے عالم مثال مین گذر چکتا ہے۔ اس لیئے چشم باطنی رکھنے والا شخص اس کو اس کے واقع ہونے سے پہلے ایک ہفتہ یا ایک ماہ یا ایک سال پیشتر ملاحظہ کر چکتا ہے۔ اور اس واقعہ آیندہ کی پوری تصویر اس کے سامنے آجاتی ہے۔ وہ اس واقعہ کو یاد رکھ سکتا ہے۔ اور اس کی خبر دوسرون کو بھی دے سکتا ہے اسی خبر کو ہم پیشین گوئی کہتے ہین۔ جس سے لوگون کو حیرت ہوتی ہے

چشم باطنی پیدا کرنے کے اکتساب

چشم باطنی کے پیدا کرنے کے لیئے دو قسم کے مرکز یا چکر ابھارے یا نمو کیئے جاتے ہین۔ ان مین سے ایک تو وہ چکر ہین جو آلات حواس ظاہری سے تعلق رکھتے ہین۔ اور دوسرے وہ ہین جو اعصاب ہمدردی یا سمپیتھٹک نروس سے متعلق ہین۔ ان چکرون کی ترقی کے لیئے مختلف اشغال اور ریاضتین بتائی گئی ہین۔ جنھین ہم ہٹ جوگ کہتے ہین۔ یہ جوگ نہایت ہی قدیم زمانہ سے ہم تک پہنچا ہے۔ بعض محققین کہتے ہین کہ یہ اشغال اور اکتسابات قوم اطلانٹس سے جو اب مفقود ہے۔ آریا لوگون کو پہنچے تھے اور جب قوم آریا ہندوستان میں آئی۔ تو وہ یہان رائج ہوئے۔

اس وقت ہم کو اس تحقیقات سے مطلب نہین کہ ابتدائی اشغال اور ریاضتین کہان سے آئی ہین جنھین ہٹ جوگ یا سخت بدنی ریاضات کہتے ہین۔ مگر اس مین کوئی شک و شبہ نہین کہ ہندوستان مین ہزارون برس سے یہ جوگ پایا جاتا ہے۔ اور لوگ اس کی تعلیم خفیہ یا سینہ بسینہ کرتے چلے آتے ہین۔ اس جوگ سے عالم مثال کے اسفل طبقات کھل جاتے ہین اور ہندوستان کے مرشدون مین اس کا رواج بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔ چونکہ ہندوستان کے اشخاص قدیم زمانہ سے یہ خصوصیت رکھتے ہین کہ وہ کسی نئی اصلاح یا طریقہ کو بڑی مشکل سے سخت مزاحمت اور مخالفت کے بعد قبول کرتے ہین اور جلد متغیر ہو جانے کی ان مین زیادہ قابلیت نہین ہے۔ اس لئے وہ کسی ترقی یافتہ اشغال اور ریاضت سے فائدہ نہین اوٹھا سکتے۔ اور اسی پرانی لکیر کے فقیر ہین جو اون کے آبا و اجداد سے چلی آتی ہے۔ اگر انھین کوئی آسان طریقہ یا کوئی زیادہ مفید شغل یا ریاضت بتائی بھی جائے گی۔ تو وہ اس کو ہرگز قبول نہ کرین گے۔

قدیم زمانہ کی احتیاط

اگلے زمانہ مین پیر یا گرو علم باطن کے اشغال اور اسرار اپنے مریدون اور چیلون کو بتایا کرتے تھے اور ان کی نگرانی اور حفاظت مین مرید اپنا

اشغال کا اکتساب کرتے تھے۔ اس لئے انھین ان اشغال باطنی سے کوئی مضرت پہنچنے نہ پاتی تھی۔ کیونکہ مریدون کی تعلیم و تربیت مین از حد احتیاط عمل مین آتی تھی۔ اور مرید اپنے مرشدون ہی کے پاس رہکر عمل اور اکتساب کرتے تھے اور مرشد انھین ہر مقام کو بحفاظت تمام طے کراتے جاتے تھے اور جو مشکلات واقع ہوتی تھین ان مین رہنمائی کرتے اور ہر مسئلہ کی غلطی مین جو ناقہمیان واقع ہوتی تھین انھین سمجہاتے جاتے تھے اور راہ سلوک کی دشوار گذار گھاٹیون مین اپنے مریدون کے ہادی اور رہبر ہوتے تھے۔ مگر آجکل یورپ اور امریکہ مین جہان ہر شخص علم باطن اور اسرار غیب کا دلدادہ ہے اس دور اندیشی اور اخفا پر عمل درآمد نہین ہے وہان تو یہ حال ہے کہ لوگ دکانون سے تصوف اور علم باطن کی کتابین جن کے مصنف مشہور و معروف نہین خرید لیتے ہین اور اُن کی تحریرون اور ہدایتون پر عمل درآمد کرنے لگتے ہین۔ کوئی تعجب کی بات نہین کہ ایسے جلد باز اور خوش اعتقاد آدمیون کو باطنی مضرت عاید حال ہو جائے۔

ہر شغل اور ہر عمل ہر شخص کے لئے موزون اور مناسب نہین۔ مرشد اور گرو کا یہ کام ہے کہ وہ اپنے مرید کی صحت جسمانی اور مزاج کے لحاظ سے کوئی شغل اس کے لئے انتخاب کرے۔ کیونکہ اگر اشغال اور مراقبات مین پوری احتیاط عمل مین نہ آئے گی۔ تو جسم اور دماغ کے

نازک اجزا اور باریک اعصاب کو بجائے فائدے کے نقصان ہوگا
اس کے علاوہ ہندوستان کے اشخاص مین مدت ہائے
دراز کے رسم و رواج سے ایک خاص قسم کی قوت اور قابلیت
پیدا کر دی ہے اور ہند اور یورپ کے باشندے رسم و رواج
اور اکل و شرب کے لحاظ سے بہت اختلاف رکھتے ہین اور یہ
فرق ان مین بطور وراثت طبعی کے چلا آتا ہے۔ ہزارون برس سے
ہندوون مین گوشت اور شراب کا رواج نہین اور شریف قومین مثلاً
برہمن شراب اور گوشت کو مطلق استعمال نہین کرتے۔ اہل اسلام
مین بھی شراب کی سخت ممانعت ہے اور ہندوستان کے مسلمان
عموماً گوشت کو بھی زیادہ استعمال نہین کرتے۔ اور اکثر مرید اور
سالکین راہ طریقت گوشت سے اجتناب کرتے ہین۔ اس لئے
ہندوستان کے اشخاص کو علم باطن کے اکتساب مین سہولت واقع
ہوتی ہے اور انھین کوئی جسمانی اور دماغی مضرت پہنچنے نہین پاتی
برخلاف اس کے یورپ اور امریکہ کے لوگ جو صدہا برس سے
صرف گوشت اور شراب ہی پر زندگی کا مدار سمجھتے ہین اور جن کی
عادتین موروثی ہو چکی ہین ان اشغال اور اکتساب مین بہت کچھ
صعوبت اور دشواری محسوس کرتے ہین اور ان اشغال کے اکتساب
سے اکثر انھین کوئی خاص مضرت پہنچ جاتی ہے۔ کیونکہ اکثر یہ اشغال
ان اشخاص کے لئے خوفناک ثابت ہوئے ہین جو کھانے پینے مین

احتیاط نہین کرتے۔ شراب اور گوشت حصول علم باطن کے لیئے ایک بڑی سدِ راہ ہے۔ یورپ اور امریکہ کے سالکین ان غذاؤن سے ذرا بھی اجتناب نہین کرتے اور اس لیئے وہان اکثر اشخاص ایسے پائے جاتے ہین جن کے دماغ اور اعصاب کو ان اشغال کی وجہ سے نقصان ہوا ہے۔

بعض نقصانات یا مضرتین

میرے ایک دوست انگریز نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ مین نے امریکہ مین لیکچر دینے کی غرض سے سیاحت اختیار کی تھی اور وہان کے ممالک کا اچھی طرح دورہ کیا تھا۔ اس سیاحت کے درمیان مین نے ۲۲ آدمیون کو ایسا پایا جنھین بے وقت عالم مثال کھلنے کی وجہ سے نقصان پہنچا تھا۔ ان اشخاص کا حال مختصراً آئندہ فصل مین بیان کیا جائے گا۔

ان مین سے کئی اشخاص نے کتابون مین پڑھکر حبس دم کا شغل اختیار کیا تھا اور اپنے تنفس اور دماغ پر اسقدر زیادہ زور ڈالا تھا کہ اون کے ششش اور دیگر اعضاے جسم کی باریک رگون اور اعصاب کو صدمہ پہنچا تھا۔ اور امراض سینہ اور ششش مین مبتلا ہوگئے تھے۔

بعض اشخاص نے اعصاب اور دماغ پر زیادہ زور ڈالنے سے

اپنی صحت جسمانی کو خراب کر لیا تھا۔ اور بعض تو خرابی دماغ کی وجہ سے پاگل خانہ یا دارالمجانین مین قیام رکھتے تھے۔

بعض اشخاص کے دماغ نرم پڑ گئے تھے اور ان کی دماغی ساخت اور اجزا مین شکستگی اور خلل واقع ہوا تھا۔

بعض اشخاص کے عصبی مرکزون اور چکرون مین خلل آگیا تھا اور ان کے اس سنہرے جال مین نقصان وارد ہوا تھا جس کا ذکر ہم کسی پچھلی فصل مین کر آئے ہین اور ان مرکزون کی خرابی سے انھین مختلف اشکال ہر وقت دکھائی دیتے تھے۔

ان متذکرہ بالا اشخاص کے دیکھنے سے ہر شخص کو افسوس آتا ہے جنھون نے اپنی جلد بازی سے بغیر سرپرستی کسی مرشد کامل کے اس وادی سلوک مین قدم رکھا تھا۔ چنانچہ اسی مضمون کو حضرت مولوی معنوی نے اپنی مثنوی مین ان اشعار کے ذریعہ سے بیان فرمایا ہے اشعار

اندرین وادی مرو بے این دلیل	لا احب الآفلین گو چون خلیل
رو ز سایہ آفتابے را بیاب	دامن شہ شمس تبریزی بتاب
رہ ندانی جانب این سور و عرس	از ضیاء الحق حسام الدین بپرس

خلاصہ مطلب ان اشعار کا یہ ہے کہ اس وادی مین بغیر مرشد کامل کے قدم نہ رکھ۔ کسی شمس الدین تبریزی یعنی اپنے زمانہ کے پیر کامل کو تلاش کر اور اس کا دامن پکڑ۔ اگر کوئی مرشد کامل بالفعل نہ ملے تو کسی مشہور و معروف پیر یا مرشد کے ہاتھ پر بیعت کر جو کہ

راہ سے کسیقدر واقف ہوا ورجو معمولی طور سے راہ سلوک کی منازل کو طے کرا سکے۔ اگر یہ لوگ راہ سلوک کو کسی مرشد کی نگرانی مین رھکر طے کرتے اور جلد بازی اور زود روی کو کام مین نہ لاتے اور قرآن شریف کے اس فقرہ پر کہ رابطوا وصابروا یعنی اکتساب کرتے رہو اور جلدی نکرو پر عمل پیرا ہوتے تو کبھی یہ خرابیان پیدا نہ ہوتین۔ اور عالم مثال کے اعلیٰ طبقات ان پر کھل جاتے اور دنیا مین وہ نہایت ہی آسودہ اور خوش حال اشخاص ہوتے۔ اور اپنی زندگی نہایت ہی آرام وراحت سے گزارتے۔ اور اس بے چینی اور خرابی سے محفوظ رہتے جو انھین بے جا اور بے ضابطہ عمل واکتساب سے لاحق ہوئی ہے اس کے علاوہ ہٹ جوگ کے استعمال سے صرف وہی قوتین ترقی پاتی ہین جو اس مادی دنیا مین کام آتی ہین اور مرنے کے بعد وہ قوتین بالکل بے کار ہوجاتی ہین برخلاف رج جوگ یا اعلیٰ درجے کے سلوک سے اعلیٰ درجہ کی باطنی قوتین ترقی کرتی ہین۔ اور بعد موت بھی ان کی ترقی زائل نہین ہوتی اسی مقام کے مناسب کسی شخص نے کیا خوب کہا ہے کہ دانائی آیندہ کی پختہ عمارت کو تیار کرتی ہے۔ اور نادانی ریت پر گھر بناتی ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اکتساب روحانی مین جلدی نہین کرنی چاہیئے چنانچہ سعدی صاحب فرماتے ہین۔ شعر

تصور در آئینہ دل کنی   صفائی بتدریج حاصل کنی

فصل ۷ - چشم باطنی پیدا کرنیکے ابتدائی طریقے

تعطل حواس ظاہری و باطنی

غیر مری دنیا یا عالم مثال کے سریع اور نازک حرکات کو محسوس کرنے کے لئے جو ہمارے چارون طرف فضا مین بھرا ہوا ہے یہ ضرور ہے کہ ہم اس دنیا کی آوازون سے اپنے کانون کو بند کرنا اور اس کے مناظر سے اپنی نظر کو روکنا سیکھین ۔ جب تک یہ پر شور آوازین ہمارے کانون مین آتی رہین گی اور جب تک ہماری آنکھین اس دنیا کے مختلف رنگا میزون کو دیکھتی رہین گی ۔ اسوقت تک عالم مثال کی نازک آوازین ہمین سنائی نہ دینگی اور نہ ہم اس کے نہایت ہی خوشنما منظرون کے نظارے سے دل کو خوش کر سکین گے ۔ بازارون کے شور و غل مین نازک باجون کی دہیمی آوازین کہان سنائی دیتی ہین ۔ جب کسی مقام پر بہینڈ باجا بجتا ہے جس مین مختلف قسم کے باجے ایک ساتھ آواز دیتے ہین تو اس مرکب آواز مین سے کسی ایک باجے کی آواز کی شناخت کرنا تربیت یافتہ کانون ہی کا کام ہے ۔ دن کو تارے تو آسمان پر بدستور سابق موجود رہتے ہین ۔ مگر آفتاب کی شدید روشنی مین انھین کوئی دیکھہ نہین سکتا ۔ لیکن جب سورج غروب ہو جاتا ہے ۔ تو اسوقت بے انتہا تارے

دکھائی دینے لگتے ہین۔ اسی طرح جب حواس ظاہری اور باطنی کا معطل کردینا مشق اور اکتساب سے حاصل نہ کیا جائے گا۔ عالم مثال ہرگز نہ کھلے گا۔

اگر ہم اپنے جسم کو ساکن کرنے اور حواس ظاہری اور حدیث نفس کو معطل کر دینے کی قوت حاصل کرلین گے تو اس عالم ناسوت یا مادی سے غافل ہو جانے کی حالت اختیاری ہمین نصیب ہوجائے گی۔ جس کو ہم حالت نوم اور یقظہ سے تعبیر کرتے ہین۔

یہ غفلت کئی طرح سے لوگ حاصل کرتے ہین۔ میسمریزم کے پاسون (ہاتھ پھیرنا) اور ہپناٹزم کے احکام سے یہ حالت غفلت پیدا ہوتی ہے۔ یعنی جب کسی معمول کے جسم پر کوئی میسمیریزم جانیوالا شخص ہاتھ پھیرتا ہے یا ہپناٹزم کا عامل کسی پر کوئی حکم کرتا ہے۔ تو معمول غفلت کی حالت مین آجاتا ہے۔ بعض اشخاص نشئی اور اعصاب کو سن کرنے والی چیزون کے استعمال سے غفلت پیدا کرتے ہین مثلاً گانجے چرس۔ شراب بھنگ وغیرہ کے استعمال سے یہ غفلت پیدا کی جاتی ہے۔ بعض اشخاص ایسی چیزون کی دھوئنے اور بخار لینے سے اپنے دماغ کو معطل کرتے ہین جن سے اعصاب سست ہوجاتے ہین۔ بعض درویش گھومنے اور چکر پھیرنے سے جو ایک قسم کی گردش دوری ہے اپنے دماغ کو معطل کر لیتے ہین اور اس تدبیر سے ان مین غفلت پیدا ہوجاتی ہے۔ اور وہ عالم مثال کی

اشیا کو دیکھنے لگتے ہین۔ بعض مرشدون کو مین نے بچشم خود دیکھا ہے کہ جب سمع مین انہین حال آتا ہے۔ تو وہ گردش دوری کرتے ہین اور بے ہوش ہوکر گر پڑتے ہین اور ان کا دماغ اور اعصاب بالکل معطل ہو جاتا ہے۔ غرضکہ مختلف تدبیرین غفلت یا نوم یقظہ کی حالت پیدا کرنے کے لئے ہندوستان مین رائج ہین۔

حبس دم یا سانس روکنا

اس غفلت کو پیدا کرنے کے لئے ممالک مشرقی مین سب سے زیادہ رواج حبس دم کا ہے۔ جس کو پرانا کہتے ہین اور اس شغل سے اب اکثر اہل مغرب بھی بخوبی واقف ہو گئے ہین۔ حبس دم کا طریقہ یہ ہے کہ سالک کسی اسن یا نشست خاص سے بیٹھتا ہے۔ اور اپنی سانس کو ایک وقت معین تک روک کر آہستہ آہستہ چھوڑتا ہے۔ بعض اشخاص ایک نتھنے سے سانس لیتے اور دوسرے سے چھوڑتے ہین اور بعض اپنے خیال مین کسی خاص حصۂ جسم مین سانس کو ٹھہراتے ہین۔ مثلاً کوئی سانس کھینچکر دماغ مین روکتا ہے اور کوئی قلب مین اور کوئی ناف مین غرضکہ حبس دم کا عمل تو نہایت ہی سیدھا سادہ ہے۔ مگر لوگون نے اپنے ذہن سے اس کے صدہا طریقے نکالے ہین اور مختلف پیر مرشد مختلف طرز سے سانس روکنا اور چھوڑنا بتاتے ہین۔ اسیطرح

اہل ہند نے آسن اور نشست مین بھی بہت کچھ تراش و خراش کی ہے۔ اور اسقدر مختلف آسنون اور نشستون کا رواج ہے۔ جن کے بیان کرنے کا اسوقت موقع و محل نہین ہے۔

حبس دم کا اصلی مقصد

ہندوستان کے اگلے بزرگون اور مہاتماؤن نے جو یہ حبس دم کے اشغال ایجاد کیئے تھے۔ تو ان سے ان کی خاص غایات اور مقاصد تھے۔ استقراء اور تتبع سے صرف یہی تین مقاصد پائے جاتے ہین۔ جن کا ذکر ہم یہان کرتے ہین (۱) خیالات یا حدیث نفس کا روکدینا۔ (۲) دماغ کا بے حس و حرکت کرنا۔ (۳) جسم مین ایتھر کے تموج کو زیادہ کرنا اور اس کی لہرون کو اعضائے جسم مین زیادہ داخل کرنا۔ ان تین اجمالی مقاصد کو ہم پھر ذرا تفصیل کے ساتھ حسب ذیل درج کرنا مناسب سمجھتے ہین۔

(۱) قدیم زمانہ مین یہ بات مشاہدہ کی گئی تھی کہ جب کوئی شخص کسی خیال یا سوچ بچار مین مستغرق ہوتا ہے۔ تو اس کی سانس کی حرکت بتدریج کم ہو جاتی ہے۔ اور کبھی کبھی انتہائے استغراق خیال مین تنفس موقوف بھی ہو جاتا ہے۔ جب تجربہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ گہرے تفکر کے وقت سانس کم ہو جاتی یا رک جاتی ہے تو اس پر یہ اصول قایم کیا گیا کہ اگر سانس روکی جائے گی تو خیالات

کم ہو جائین گے یا بالکل بند ہو جائین گے۔ اس لئے حدیث نفس اور منتشر خیالات کے دور کرنے یا یک سوئی پیدا کرنے کے لیے حبس دم کا طریقہ نہایت ہی مستحسن اور مفید سمجھا گیا ہے۔ اور ایک حد تک یہ قیاس صحیح ثابت ہوا ہے کیونکہ جسم اور دل مین مناسبت اور ہمدردی پائی جاتی ہے۔ اور ایک کی حالت کا اثر دوسرے پر پڑتا ہے۔

(۲) ہندوستان کے اکثر درویش اور مرشد جنھون نے برسون حبس دم کی مشق کی ہے اسقدر عرصہ تک سانس کو روک سکتے ہین جس کے بیان سے لوگون کو تعجب ہوگا اور وہ بڑی مشکل سے اس بیان کو باور کرین گے خون ہمیشہ گردش کرتا ہے اور ہر سانس کے ساتھ کاربن تو باہر آتی ہے اور آکسیجن اندر جاتی ہے۔ جب دم روکا جاتا ہے تو خون مین کاربن بہت جمع ہو جاتا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حبس دم سے دماغ بے حس ہونے لگتا ہے اور ایک غفلت کی حالت پیدا ہوتی ہے۔

(۳) جب حبس دم کی مشق سے سانس کا روکنا اور چھوڑنا باترتیب اور موقت ہو جاتا ہے۔ تو اس وقت جو کچھ ایتھر جسم کے اطراف بھرا ہوتا ہے۔ اس کی وائٹل فورس یعنی قوت حیات مین زیادہ حرکت پیدا ہو جاتی ہے اور اس کا دوران بہت سریع اور تیز ہو جاتا ہے اور جب یہ تصور کیا جاتا ہے کہ سانس مقامات مخصوص سے آتی اور جاتی ہے تو اس وقت گو فی الواقع سانس ان مقامون سے تو

نہ آتی اور نہ جاتی ہے۔ مگر ایتھر کی لہرین ان مقامات مین البتہ تیز اور سریع ہو جاتی ہین۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اعصاب کے بعض مرکز ترقی کرنے لگتے ہین۔ اور عالم مثال کھل جاتا ہے۔

حبس دم کے نتائج

جب اعصاب کے یہ خاص خاص مرکز بار بار حبس دم سے نمو اور ترقی پا جاتے ہین۔ تو اسوقت عالم مثال کھل جاتا ہے اور غیب کے مناظر اور تماشے دکھائی دینے لگتے ہین۔ اس وقت مبتدی کی قوت سے یہ بات باہر ہو جاتی ہے کہ وہ ان غیبی مناظر کے دیکھنے سے چشم پوشی کر سکے یا غیبی آوازون کے سننے سے کان بند کرے۔ یہ دونون باتین اس کے امکان سے خارج ہو جاتی ہین۔ اگر یہ مناظر اور آوازین اچھی اور دلچسپ ہون گی۔ تو انکے دیکھنے سے دل کو لطف اور سرور حاصل ہوگا۔ اور اگر بدقسمتی سے یہ مناظر خراب اور تکلیف دہ ہون گے۔ اور یہ آوازین بیہودی اور فحش ہون گی۔ تو ان کے سننے سے دل کو نفرت معلوم ہوگی ابتدا مین اکثر عالم مثال کے اسفل طبقے کھل جاتے ہین۔ اور ان مین بھی ناقابل نفرت سمین نظر آتے ہین اور گالی گلوج کی آوازین اور فحش صدائین سنائی دیتی ہین۔ اور ان طبقات کے کھل جانے کی صورت مین مبتدی کو ان مناظر سے گریز مشکل

ہوتی ہے۔

عموماً لوگون کی ساری توجہ اعضائے جسم کی ترقی اور نمو کی طرف مائل رہتی ہے۔ اوران کے قوائے عقلی اور فکری کافی طور سے نمو نہین کرتے۔ اور وہ قوائے نفسانی اور شیطانی کے دام مین گرفتار ہوتے ہین۔ ایسے لوگون پر جب وفعتاً عالم مثال کے طبقات اسفل کھل جاتے ہین۔ تو وہ ان کے اثر سے بہت متاثر ہوتے ہین اور اس کے عوض کہ وہ ان طبقات اسفل کی اشیا پر حکمران اور قادر ہون وہ خود ان کے قابو اور حکومت مین آجاتے ہین۔ اس لئے عالم مثال کے کھولنے سے پہلے مبتدی کو چاہیے کہ وہ اتقا اور پرہیزگاری حاصل کرلے اور اپنے قوائے عقلی اور فکری کو تعلیم و تربیت سے ترقی دے۔ ورنہ وہ کبھی عالم مثال کی اشیا پر حاکم نہ ہوگا۔ بلکہ بالعکس ان کا تحت ہوجائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ مرشد کامل عالم مثال کے شغل اکثر انھین اشخاص کو بتاتے ہین جنھین کسیقدر استعداد علمی ہوتی ہے۔ اور جو علوم شرع اور اخلاق مین علمی اور عملی دونو طرح کی لیاقت رکھتے ہین۔ ہمارے نزدیک جاہلون اور ناخواندہ اشخاص کو اول ہی مرتبہ ایسے اشغال بتانا نہین چاہیے جن سے عالم مثال کھل جاتا ہے۔ سب سے پہلے انھین اخلاق اور نفس کشی کی تعلیم دینی چاہیے۔ سلوک کے طے کرنے مین جلدی اچھی نہین۔ ہمیشہ مرید کی علمی اور ذہنی قابلیت کا اندازہ

کر لینا ضرور ہے۔

حبس دم عموماً سب کے لیئے مفید ہے کیونکہ اس سے انسان کے قوائے جسمانی مین جان ترقی کرتی ہے۔ مگر عوام الناس کو اس حبس دم کی تعلیم ضروری نہین جو سالکین کے لئے مخصوص ہے۔ عوام کو حبس دم کا وہ طریقہ بتانا چاہیے جو عام طور سے جمنیشم یعنی اکھاڑون اور جسمانی کثرتون کے مقامون مین بتایا جاتا ہے۔ اس طریقے سے سب کی صحت جسمانی کو فائدہ پہنچتا ہے۔ اور اس حبس دم سے نہ تو عالم مثال کے طبقات اسفل کھلتے ہین اور نہ کوئی صدمہ شش اور سینہ کو پہنچتا ہے۔

خیال کو شمسی مرکز یا چکر پر جمانا

عالم مثال کے کھولنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اعصاب کے اس مرکز یا چکر پر نظر یا معنی یا خیال جمایا جاتا ہے جسکو شمسی مرکز کہتے ہین اعصاب ہمدردی کے اس مرکز کو دوسرا دماغ بھی کہتے ہین اور اس کے دوسرے نام بھی ہین۔ اس مرکز کو ابھارنے کے لئے بہت سے طریقے ایجاد کیے گئے ہین۔ جن کی تعریفون مین بے فائدہ اوراق سیاہ کیے جاتے ہین۔ یہ بڑی نادانی کی بات ہو کہ اکثر اشخاص اُن باتون پر بغیر سوچے سمجھے عمل کرنے لگتے ہین۔ جنکا اثر ان کے جسم اور دماغ پر پڑتا ہے۔ عقل کی بات تو یہ ہے کہ پہلے

کسی کام کے مال کار اور اس کی خاصیت کو دریافت کر لیا جائے۔
جب اس مین ہاتھ ڈالا جائے۔ اکثر بے علمی اور ناواقفیت سے
نقصان پہنچ جاتا ہے۔

جب کوئی مبتدی اپنی توجہ یا خیال کو مرکز شمسی پر جماتا ہے۔
اور اس کا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا فعل ترقی کرے۔ تو اس کے
قلب سے ایک حرکت نکل کر جس کو وائٹل فورس کہتے ہین تیزی
کے ساتھ اس مرکز کی طرف جاتی ہے۔ اور یہ تموج زور دار ہوتا ہے
بعض اوقات اس مثالی مرکز مین جو اس عصبی مرکز کے ساتھ تعلق
رکھتا ہے ایک تحریک پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اس مبتدی کو عالم
مثال کے طبقات اسفل کا کچھ مشاہدہ ہونے لگتا ہے۔ یعنی کچھ
اجمالی شکلین اور رسمین اسے دکھائی دینے لگتے ہین جنھین وہ
سمجھ نہین سکتا۔

ایسی صورتون مین عموماً وائٹل فورس یا قوت جان اس مرکز
مین بکثرت جمع ہو جاتی ہے جس سے مبتدی کے جسم کو سخت نقصان
پہنچتا ہے۔ یہ شمسی مرکز جس پر خیال جمایا جاتا ہے ایک نہایت ہی
قابل احتیاط مرکز ہے۔ اس کا تعلق اعضائے ہاضمہ سے ہے
جب اس مرکز پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ تو قوت ہاضمہ خراب
ہو جاتی ہے۔ اور بعض اوقات گردون کے افعال مین خلل
پڑ جاتا ہے۔ اس سے بھی زیادہ خرابی اس وقت پیدا ہوتی ہے

جب کوئی معمولی آدمی جو علم تشریح جسم سے ناواقف ہے اس مرکز شمسی پر خیال جماکر اور اعضائے جسمانی پر بھی توجہ کرتا ہے۔ اس کارروائی کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس کے اعضائے ہاضمہ کے ساتھ اس کے تمام اعصاب مین بھی خرابی اور بے ترتیبی لاحق ہوتی ہے جب اس طرح نظام عصبی مین بے جا مداخلت واقع ہوتی ہے اور اس کے غیرارادی اور طبعی افعال مین خواہ مخواہ دست اندازی کی جاتی ہے۔ تو اسوقت جسم مین ناقابل علاج امراض عصبی پیدا ہوجاتے ہین جن سے دل مین ایک قسم کی سخت مایوسی اور اوداسی لاحق ہوتی ہے۔ جب ان خوفناک اشغال پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ تو اس کا نتیجہ بعض وقت یہ ہوتا ہے کہ جسم کا کوئی حصہ مفلوج اور بے حس وحرکت ہوجاتا ہے۔

ایک سفید یا سیاہ داغ پر یا کسی مبلّر لٹو یا آئینہ پر نظر جمانا

تیسرا طریقہ عالم مثال کے کھولنے کا یہ ہے کہ ایک سیاہ داغ پر جو کاغذ یا دیوار پر بنایا جاتا ہے یا ایک سفید داغ پر جس کے اطراف سیاہی پھیر دی جاتی ہے یا ایک شفاف گولے یا آئینہ پر جو سامنے رکھا ہوتا ہے نظر جماتے ہین۔ اور اس کو پلک مارنے کے بغیر گھورتے رہتے ہین۔ اس شغل سے دو مقصد ہین۔ ایک تو یہ کہ افعال دماغ معطل ہوجائین اور نوم ویقظہ کی حالت یعنی ایک قسم کی نیم غفلت

پیدا ہو۔ دوسرے یہ کہ آنکھوں کے اعصاب کے ذریعہ سے ان مرکزوں مین تحریک اور نمو پیدا ہو جو عالم مثال سے تعلق رکھتے ہین اور اسطرح ایک عارضی نظر باطنی حاصل کی جائے جس سے عالم مثال کی دید نصیب ہو۔

جب کوئی مبتدی ایک سفید داغ کو آنکھہ جماکر گھورنا شروع کرتا ہے اور دیکھنے کے درمیان مین پلک نہین مارتا تو آنکھون کی پتلی کے اجزا یا ایٹینا سیلز پر بار پڑتا ہے اور ان مین سخت تھکاوٹ اور پستی واقع ہوتی ہے جسکی علامت آنکھون کی سرخی اور اون مین پانی نکلتا ہے۔ اور جب اس داغ کو دیر تک گھورتے ہین۔ تو وہ نظر سے غائب ہوجاتا ہے۔ یہ سفید داغ جو دکھائی نہین دیتا۔ تو اسکا اصلی سبب یہ ہے کہ آنکھہ کی پتلی یا مردم چشم بے حس ہوجاتی ہے جب ایک مدت دراز تک یہ عمل کیا جاتا ہے۔ تو اعصاب چشم جنھین اپٹک نروس کہتے ہین سست اور بے حس ہوجاتے ہین۔ اور آخرکار نظر مین کسیقدر فتور آجاتا ہے۔ جب یہ کیفیت پیدا ہوجاتی ہے تو دماغ مین غفلت لاحق ہوتی ہے۔ اور وہ خارجی اشیا کو محسوس نہین کرتا ہے۔ اس حالت غفلت مین بعض اوقات خواب کی حالت لاحق ہوتی ہے اور اس کو بعض مناظر غیبی نظر آتے ہین مگر اس شغل سے اکثر اوقات کوئی فائدہ حاصل نہین ہوتا۔ اس شغل سے جیساکہ ہم اوپر بیان کر آئے ہین مرکز بینائی کو

تحریک ہوتی ہے جس کا اثر مرکز مثالی تک پہنچتا ہے اور پھر عالم مثال کے اثرات دماغ مین منتقل ہوتے ہین جن سے اس عالم غیر مرئی کے اشکال دکھائی دینے لگتے ہین۔ مگر جو چیزین اس شغل سے بعض اوقات دکھائی دیتی ہین۔ وہ بالکل ناقابل اعتبار ہین۔ کیونکہ جن اعضا کے وسیلہ سے یہ اشکال ہم تک آتے ہین وہ اس کام کے لایق نہین۔

اس قسم کے اشغال اس قابل نہین ہین جنکی رغبت عوام کو دلائی جائے۔ کیونکہ ان کی وجہ سے دماغ ہمیشہ کے لیے سست اور پست ہو جاتا ہے۔ اور اس کے اعصاب مین ایک قسم کی بے حسی پیدا ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ان اشغال سے آنکھون پر بھی بار پڑتا ہے جو خوفناک ہے۔ ممکن ہے کہ ان اشغال کے پریکٹس اور عمل سے ایک عرصے کے بعد فتور بینائی پیدا ہو اور آنکھون کی بصارت زایل ہو جائے۔ اور اکثر تو یہی دیکھا گیا ہے کہ ان اشغال سے نظر مین ضعف اور کوئی نہ کوئی فتور واقع ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات احولی اور ترچھاپن بھی اس سے پیدا ہوتا ہے۔

اشغال بے فائدہ

ہم بیان کر چکے ہین کہ ان اشغال سے جو صرف دماغ ہی پر اثر

ڈالکر کچھ بین النوم و یقظہ کی حالت پیدا کر دیتے ہیں کوئی زیادہ روحانی فائدے حاصل نہیں ہوتے۔ مراقبہ مین بھی سونے کی حالت کی طرح آدمی کی روح اس مادّی جسم سے باہر چلی جاتی ہے۔ اور اس کی آگاہی یا توجہ عالم مثال کی طرف ہوجاتی ہے اگر اہل مراقبہ اس غیرمرئی دنیا مین بیدار یا آگاہ ہین اور وہان وہ کام کرتے ہین تو البتہ وہ کچھ مفید معلومات حاصل کر سکتے ہین۔ اور مراقبہ سے فارغ ہونے کے بعد خواب کی طرح ان واقعات کو یاد بھی رکھتے ہین۔ ورنہ جیسے حالت بیداری مین کسی چیز کو نہین جانتے اسی طرح اس عالم مثال مین پہنچکر کوئی کارآمد بات نہین سیکھتے۔

اگر وہ شخص جس کی رسائی عالم مثال تک ہوئی ہے کوئی ایسا آدمی ہے جس کے قوائے دماغی یا عقلی مین ترقی نہین ہوئی۔ یا ایک جاہل یا ناخواندہ شخص ہے جسکی توجہ ہمیشہ اسی مادّی دنیا اور جسم طبعی کی طرف مایل رہی ہے۔ تو ایسی صورت مین جب وہ مراقبہ کرتا ہے اور اس پر اس عالم ناسوت سے غفلت کی حالت طاری ہوتی ہے۔ اور وہ اپنے قالب مثالی کے ساتھ عالم مثال مین داخل ہوتا ہے۔ تو وہان بھی وہ ادھر ادھر مارا ہوا پھرتا ہے اور کسی شے کو دیکھکر اس کی شناخت نہین کرتا اور کوئی مفید بات اس سے حاصل نہین کرتا۔ جس طرح ایک گنوار اور جاہل آدمی شہر مین آکر

تمام چیزون کو حیوانات کی طرح اجمالاً دیکھتا ہے اور ان اشیا
کی حقیقت اور خاصیت سے بے خبر رہتا ہے۔ اسی طرح سے
ایک جاہل صوفی بھی مراقبہ کے ذریعہ سے کوئی فائدہ نہین اٹھاتا۔
وہ عالم مثال کے مناظر اور اشکال کو اسی طرح اپنے مراقبہ مین
دیکھتا ہے جس طرح کہ ایک معمولی آدمی خواب دیکھتا ہے۔ عالم
مثال سے واپس آنے یا مراقبہ سے بیدار ہونے کے بعد بھی اُس مین
وہی ادراک و آگاہی یا عقل و تمیز رہتی ہے جو اس سے پہلے تھی۔

ان واقعات سے صاف واضح ہے کہ اس ابتدائی انکشاف
عالم مثال سے کوئی فائدہ نہین۔ اور اس لئے اُن اشغال کے
اکتساب سے زیادہ کوئی نفع نہین جنھین ہم اوپر بیان کر آئے
ہین۔ آج کل یورپ اور امریکہ مین اسی قسم کے صدہا اشغال
کتابون مین درج کئے جاتے ہین۔ اور ان کی تعریفون کے لمبے
چوڑے اشتہارات اخبارون مین دیکھے جاتے ہین۔ اور بڑی بڑی
فصاحت و بلاغت سے ان کی طرف لوگ رغبتین دلاتے ہین۔
مگر جب ہم ان اشغال اور اکتساب کے بے فائدہ ہونے پر اور اُن
کے خطرات اور نقصانات پر ایک گہری نظر ڈالتے اور ان کے
بُرے نتائج پر غور کرتے ہین جو غمگینی اور اداسی اور مایوسی کی شکل
مین پیدا ہوتے ہین جو ان کے عاملون کے آید حال ہوتی ہے۔ تو
ہمین یہ کہدینا ضرور ہے کہ ان اشغال سے کچھ فائدہ نہین اور کوہ کندن

اور کاہ برآور دن کی مثل صادق آتی ہے۔

فصل ۸۔ عالم مثال کے اعلیٰ طبقات کی دید

سچے سالکین کا طریقہ

اب تک ہم نے ان اشغال کا ذکر کیا ہے جن کے اکتساب سے دماغ مین عالم مثال کی تحریکون کے اصول کرنے یعنی ان سے متاثر ہونے کی کسیقدر صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ اور دماغ اور اعصاب کے بے حس ہو جانے سے عالم مثال کے طبقات ادنیٰ کھل جاتے ہین۔ مگر جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہین ان اشغال سے فائدے بہت کم ہین اور ان مین خوف وخطر زیادہ ہین۔ اور سب سے زیادہ ان اشغال مین قباحت یہ ہے کہ ان سے قوائے روحانی کو کوئی بڑا فائدہ نہین پہنچتا۔ اور وہ ان اکتساب مین شدید محنتین اُٹھانے کے بعد بھی ناتربیت یافتہ اور بے ترقی یافتہ رہتے ہین۔ اگرچہ ان اشغال کے اکتساب سے کسیقدر عالم مثال کھل جاتا ہے۔ تاہم آدمی بلحاظ فہم و فراست اور اخلاق وعادات سے جیسا تھا ویسا ہی رہتا ہے۔ بلکہ اس کے خلاف بعض اوقات اس کے فہم اور عقل مین کمی اور نقصان واقع ہوتا ہے اور اس کے اخلاق وعادات پہلے سے بھی زیادہ خراب ہو جاتے ہین کیونکہ

عالم مثال کے اسفل طبقات مین داخل ہونے سے اوس پر وہان کے کم درجہ اور بد باطن اشخاص کے دلون کے اثرات بد پڑتے ہین جن سے وہ بچ نہین سکتا۔

پکے عاشقان حق اور سچے سالکین طریقت اس بات کو خوب جانتے ہین کہ راہ سلوک کا دور و دراز راستہ درحقیقت سب سے چھوٹا راستہ ہے۔ وہ اس راستہ مین کسی تکلیف و محنت سے گریز نہین کرتے۔ وہ برسون شوق و ذوق سے صبر و استقلال کے ساتھ ریاضت اور مجاہدات نفس مین مشغول رہتے ہین۔ وہ اپنی کامیابی کے مقابلہ مین عمر نوح کو بھی ناچیز جانتے ہین۔ ان کے دلون مین یہی خواہش ہوتی ہے کہ ہم ابد الآباد تک یہی اپنے اشغال قایم رکھین اور انھین مین ان کو مزا ملتا ہے۔

ایک مدت دراز کے مجاہدے اور ریاضت کے بعد سالکین کو اپنی ذات کا علم یا عرفان حاصل ہوتا ہے اور فنا فی اللہ کا اعلی مقام پانے کے بعد جو انسانی ترقی کی معراج انتہائی ہے۔ وہ اپنے آپ کو پہچانتے ہین۔ جب اس کو خود شناسی نصیب ہوتی ہے تو وہ خود بالقصد مجاہدے اور اکتساب کے ذریعہ سے اپنی خود غرضی۔ ذاتی تشخص اور اغراض نفسانی سے باز آتا ہے اور غیریت کو یک لخت چھوڑ دیتا ہے۔ اور اپنی ہر جسمانی اور روحانی قوت کو ان اشخاص کی امداد کے لئے وقف کر دیتا ہے جو اس کارخانہ عالم کی

ترقی اور بہبودی کے لئے کام کر رہے ہین۔ یعنی وہ جو کچھ کام
کرتا ہے وہ خالصۃً للہ مخلوق کی نفع رسانی کے لئے کرتا ہے اور
اپنی ذاتی اغراض کو اس مین ذرا بھی دخل نہین دیتا۔
اس انتہائی معراج خود شناسی پر پہنچنے کے لئے جو مال کار
انسانیت ہے یہ ضرور ہے کہ انسان اپنے اخلاق و عادات کو
درست کرے اور سخت مجاہدے اور ریاضت کے ذریعہ سے
نفس کے مہلکات سے بچے اور فضائل نفس اکتساب کرے۔ اپنے
احساس و خیالات کو آراستہ کرے۔ اور تزکیہ۔ تجلیہ اور تصفیہ
سے قلب و روح کی صفائی حاصل کرے۔ جو لوگ اپنے ہم
جلسون کے قوائے روحانی کی ترقی مین ساعی ہین اور جنھین
اون کی خدمت اور ہدایت سے اسقدر خوشی ہوتی ہے۔
کہ وہ اپنی خوشی ترقی روحانی اور منفعت ذاتی کو بھول جاتے
ہین۔ وہ واقعی راہ سلوک کے اعلیٰ منزلون پر پہنچے ہوئے ہین جہان
پران قوتون کا ظہور آسان ہے جن کے ابھار اور نمو سے عالم مثال
یا ملکوت دکھائی دیتا ہے یعنی خود غرضی کے چھوڑ دینے اور دوسرون
کی خدمت بغیر کسی مزد اور صلہ کے کرنے سے سالکین طریقت کو
عالم مثال کے اعلیٰ طبقات بہت جلد اور باسانی کھل جاتے ہین
یہی اہل اللہ جو خالصۃً خدا یا خلق کی خدمت پر ہمہ تن مصروف ہین
ہر زمانہ مین یعنی نوع انسان کی ترقی کے نمونے ہوسکتے ہین۔ اور

انھین کی پیروی سے لوگ آیندہ بھی ترقی کرسکتے ہین - جن قومون
مین ایسے اشخاص کی تعداد زیادہ ہوجاتی ہے وہ دراصل روحانیت
مین ترقی کرتی ہے اور جن مین یہ لوگ مفقود ہوتے ہین وہ نفس کے
مہلکات مین گرفتار ہوتی ہے اور رغار نکبت اور پستی مین گرجاتی ہے -

مدارج ترقی کو جلدی حاصل کرنا

سالکین ترقی انسانی کے منازل اور مدارج کو جلدی طے کرنا چاہتے
ہین - اور معراج ترقی پر پہنچنے کے لئے سخت محنت اور مشقت کا
بار اٹھاتے ہین اور عوام الناس نہایت ہی آہستہ رفتار کے ساتھ
ہزارون برسون کے عرصہ مین ان گھاٹیون کو طے کرتے ہین -
عوام الناس مین عالم مثال کے دیکھنے کے لئے وہ نظر مدت دراز
مین خود بخود پیدا ہوجائے گی جس سے اس عالم غیرمری کا مشاہدہ
ہوتا ہے - اس مدت مدید کے بعد ان کے دماغ بھی اس حد تک
ترقی کرجائین گے کہ ان تک وسیع تر عالمون کی تحریک پہنچنے لگے
گی اس زمانہ مین ان عوام الناس کے دماغ اس تحریک سے
بالکل بے حس ہین - جب ان کے دماغون مین اس تحریک کے
قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگی - تو ان پر عالم مثال کھل جائیگا -
جو ہمارے اندر اور اطراف وجوانب اسوقت موجود ہے - اس
زمانہ مین بھی اکثر بچے ایسے پیدا ہوتے ہین جن پر چھ سات سال

تک عالم مثال کھلا رہتا ہے اور اس عمر کے بعد والدین کی بے احتیاطی اور جہالت کی وجہ سے جو ان کی تربیت و تعلیم مین واقع ہوتی ہے یہ نایاب قوت زائل ہو جاتی ہے۔

کسی معین اور مقررہ طریقہ سے جو اس مین تراشے گئے ہین یہ ضرور نہین کہ سالک پر عالم مثال کھل جائے۔ بلکہ اس عالم غیر مری کی دید کے لئے یہ لازمی ہے کہ قوائے دماغی اور عصبی مین ترقی پیدا ہو۔ اور دماغی ترقی کے لئے ضرور ہے کہ کسی طرز عمل یا اکتساب سے احساس قلب اور ارادے کی قوتون مین نمو اور زور پیدا کیا جائے۔ ان روحانی قوتون کی ترقی کا عام اصول تو یہی ہے کہ ان کا اکتساب اور مشق عمل مین آئے۔ مگر کسی خاص شغل اور طرز عمل کی کوئی خصوصیت ہو نہین سکتی۔ ان اندرونی قوتونکی ترقی سے دماغ اور اعصاب کی ترقی لازمی امر ہے۔ اور چونکہ نوع انسان ہزارون برسون سے قوائے روحانی کا اکتساب کر رہی ہے اور اس مین یکے بعد دیگرے اخلاق و عادات شریفہ قایم ہوتے جاتے ہین۔ اس لئے ان کے دماغون مین بھی تدریجی ترقی ہوتی جاتی ہے اور دماغ اور اعصاب مین عالم مثال کے دیکھنے کی صلاحیت خود بخود پیدا ہوتی رہتی ہے۔

جب یہ بات بخوبی ثابت ہو چکی کہ عالم مثال کی دید جادوے دماغ اور اعصاب کی تیاری اور مستعدی پر منحصر ہے۔ تو آپ

چاہین تو عوام الناس کے ساتھ بتدریج قوائے دماغ مین ترقی
کرین اور ہزارون برسون مین آہستہ آہستہ اس قابل ہون کہ
عالم مثال کو اپنی آنکھون سے دیکھین یا چاہین تو سخت محنت اور
ریاضت کے ذریعہ سے جو سالکین راہ طریقت کا مسلک ہے
جلدی اپنے دماغ اور اعصاب مین وہ استعداد اور ترقی پیدا
کرلین جو عالم مثال کے کھلنے کے لئے ضروری ہے اور اسی
زندگی مین بعد الموت کی زندگی کا لطف اُٹھائین اور عالم آخرت کو
اپنی آنکھون سے دیکھین۔ یہان دونون طریقے بتا دئے گئے
ہین۔ اب ناظرین کے اختیار مین ہے کہ وہ جس طرز کو چاہین
پسند فرمائین۔

دماغ کی یہ ترقی کہ انسان عالم مثال کو اپنی آنکھون سے مشاہدہ
کرے کسی خاص مدت یا وقت کی طرف منسوب نہین کی جاسکتی۔
یعنی کوئی عرصہ یا مدت اس ترقی کے لئے مقرر نہین کیا جاسکتا۔
یہ ترقی ہر شخص کی دماغی قابلیت اور استعداد پر منحصر ہے۔ جو لوگ
خلقتاً عمدہ اور مستعد دماغ رکھتے ہین انھین عالم مثال ان اشخاص
کی بہ نسبت جلد کھل سکتا ہے۔ جن کی دماغی ساخت بھدی اور ناقابل
ہے۔ اگر ہم مین اسقدر صبر و استقامت ہو کہ ہم اس خیال پر قائم
ہو جائین کہ ہم اپنے آہستہ رَو ہم جنسون سے راہ سلوک مین جلدی
منازل طے کرین گے۔ تو اس مین کوئی شک و شبہ نہین کہ ابھی

مجربات کی وجہ سے عالم مثال کے اعلی طبقے ایک دن ضرور
ہم پر کھل جائین گے - ہمارا ہی ضعف ارادہ اور ہماری ہی بے
ثباتی اور عدم استقلال اس راہ سلوک مین سدراہ ہے -

اقلب خلاق الاشیا یعنی وہ بہت بڑا بنانیوالا شکلونکا ہی

وہ اصل اصول جسپر عالم مثال کی وید کی عمارت قایم ہے
حسب ذیل درج کیا جاتا ہے -

روح کا ظہور جسم کی ترقی پر منحصر ہے - یعنی جسم کی ترقی اور نمو کی بغیر قواے روحانیہ کی کوئی کمالات ظاہر نہین ہوسکتے

اس کا سبب کیا ہے کہ ہم سب کو عالم مثال کیون کھلا ہوا
نہین ہے - اس کا اصلی سبب یہ ہے کہ ہمارے قواے روحانی
نے ابھی جزوی ترقی کی ہے - اور بعض قواے روحانی تو ابھی تک
ظاہر ہی نہین ہوے ہین - اور اس لئے ہمارے دماغ اور اعصاب
مین ترقی کی ضرورت بھی لاحق نہین ہوئی ہے - اس زمانہ مین
جس حد تک دماغ ترقی کرچکا ہے عوام الناس کے دماغون کو وہ
ترقی نصیب نہین ہوئی - وہ اپنے دماغون پر ذرا بھی اس محنت
اور ریاضت کا بار نہین ڈالتے جو انکی ترقی اور ابھار کے لئے ضروری ہے

عوام الناس ابھی اسباب کو سمجھے ہی نہین کہ دل بہت بڑا خلاق اشیا ہے یعنی وہی مختلف اشغال پیدا کرتا ہے - یہی قلب یا دل ہے جو ہمارے اعضائے جسم کو بناتا اور دماغ اوراعصاب کو تیار کرتا ہے - اس اصول کو عام طور پر لوگ نہین سمجھ سکتے ہین اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے دل کو کسی خاص طرف مصروف رکھنے کی قوت پیدا نہین کرتے - ان کے دماغ مین مختلف اور کمزور خیال آیا کرتے ہین اور کوئی با ترتیب اور قوی خیال قائم نہین ہوتا - اگر ہم کسی اعلیٰ درجہ کے ترقی یافتہ اور قوی دل کی پوشیدہ کارروایون یعنی خیالات کو چشم بصیرت سے ملاحظہ کرین - تو ہم کو معلوم ہو جائے گا کہ کس طرح ایک زوردار قوی قلب سے زوردار خیالات کی موجین دماغ مین آتی ہین - اور کس طرح خیال کی قوت دماغی قوتون کو بناتی یا پیدا کرتی ہی

اگر ہم علم افعال الاعضا کی کسی عمدہ کتاب کو کھولین اور اس مین دماغ کے ان سیلز یا باریک غدودون کو پڑہین اور اون کی تصویرون اور نقشون کو سمجہین - تو ہمین معلوم ہو جائیگا کہ ہر ایک سیل یا نہایت ہی چھوٹے غدود نے کئی شاخین نکالی ہین اور اونھون نے بڑھ کے بھورے مادہ کا ایک جال سا پیدا کر لیا ہے - یہ باریک رگین جو ایک دماغی غدود سے نکلتی ہین - دراصل علاحدہ تار برقی کے تار ہین - جب دماغ مین

ان غدودون کی کثرت ہو جاتی ہے اور ان مین یہ تار قایم ہوجاتے ہین تو کہا جاتا ہے کہ دماغ کی قوت بڑھ گئی۔

جب خیال کی موجین ایک زوردار اور قوی دل سے نکلکر دماغ کے اس بھورے مادے مین پہنچتی ہین جس کو سیلز کا مجموعہ کہتے ہین تو ان سیلز یا غدودون مین تحریک پیدا ہوتی ہے اور وہ زیادہ شاخین پیدا کرنے لگتے ہین اور اس سے دماغ کی قابلیت اظہار خیال اور احساس وادراک مین ترقی واقع ہوتی ہے۔ ابھی یہ بات پورے طور سے ثابت تو نہین کہ یہ سیلز یا غدود خود بھی بڑھتے ہین۔ مگر اس بات کا امکان عام طور پر باور کیا جاتا ہے اسی اصول کی بنا پر یہ امر طے شدہ ہے کہ دل یا قوائے روحانی کے اکتساب اور باضابطہ ذکر وشغل سے دماغ کی قابلیت اور استعداد مین بہت کچھ ترقی ہوتی ہے۔ اور یہی اصول سالکین کو راہ سلوک مین زیادہ رہنما اور بکار آمد ہے۔ اور اسی اصول کے سمجھنے اور مشق واکتساب سے عالم مثال کے اعلی طبقات کھل جاتے ہین۔

اسی کتاب افعال الاعضا سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ ہر ایک قوت روحانی یا قلبی کے متعلق دماغ کے بھورے مادہ کے مین کچھ چھوٹا سا رقبہ سیلز کا موجود ہے۔ اور اسی بھورے مادے کے ذریعہ سے ہر ایک مخصوص قوت قلبی کا ظہور رہتا ہے۔ غرض دماغ

کہ ہم دو زبانیں جانتے ہین تو ہمارے دماغ کے بھورے حصہ مین ایک زبان کے بولنے۔ اس کے لکھنے اور اس کے پڑہنے کا رقبہ پایا جاتا ہے۔ اس طرح دو نون زبان کے چھ رقبے ہمارے دماغ مین پائے جائین گے۔ یہی حال ہر ایک قوت روحانی یا قلبی ہے کہ اس کے متعلق دماغ مین ایک مخصوص رقبہ ہوتا ہے مثلاً علم موسیقی تصویر کشی۔ نقشہ کشی۔ ریاضی وغیرہ علوم کے جدا جدا مرکز یا رقبے دماغ مین موجود ہین جو ان علوم کے اکتساب سے نمو اور ترقی کرتے ہین۔

جب ہم روح کی کسی خاص قوت کا اکتساب کرتے ہین تو دماغ کا ایک خاص مرکز یا رقبہ جو اس قوت قلب سے تعلق رکھتا ہے پڑہنے لگتا ہے۔ اور اس قوت کے کمال کے ساتھ اس دماغی مرکز کے نمو مین کمال پیدا ہوتا ہے۔ جب کوئی نیا علم یا اکتساب شروع کیا جاتا ہے تو دماغ کے مخصوص سیلز کے مجموعہ مین تغیر واقع ہوتا ہے اور اس بھورے مادہ مین ایک خاص پہلاؤ ظاہر ہوتا ہے۔ جب تک ہماری طرف سے بالارادہ کوشش اور سعی عمل مین نہین آتی اسوقت تک کوئی قوت دماغی کا ظہور نہین ہوتا۔ اور دماغ کے بھورے سیلز مین کوئی تغیر و تبدل واقع نہین ہوتا۔ اس لئے پھر ہم صاف طور سے یہی کہتے ہین کہ قلب ایک قوی خلاق الاشیا ہے اور جب اسکی قوتون کو ترقی دیتے ہین پہلے

خیال کو کسی طرف لگاتے ہین ۔ تو اسوقت اس خیال کی ترقی
کے ساتھ ساتھ مادّۂ دماغ کو بھی ترقی ہوتی ہے ۔

اصول تکرار ـ غلط ہے ـ آپ کی

سالکین راہِ خدا کا طریقہ عمل بالکل علمی اور سائنٹفک ہے
اور اس لیئے اس مین ناکامی واقع نہین ہوتی ۔ بشرطیکہ کوئی
عمل شوق اور صبر و ثبات سے کیا جائے ۔ ان کے اشغال اور
اعمال اس اصول پر مبنی ہین کہ جب کوئی فعل بار بار دہرایا جاتا ہے
تو اس کی عادت ہو جاتی ہے ۔ اور وہ طبعی اور غیر ارادی ہو جاتا ہے
اسی طرح جب کوئی خیال بار بار کیا جاتا ہے تو وہ خلقی اور طبعی
ہو جاتا ہے اور اخلاق موروثی کی فہرست مین داخل ہو جاتا ہے
کسی خیال یا فعل کے بار بار دہرانے کو ہم اصول تکرار یا عادت
کہتے ہین ۔

اگلے زمانہ کی کتب مقدسہ مین درج ہے کہ آدمی جس خیال
مین رہتا ہے وہی ہو جاتا ہے ۔ اور اس ہمارے زمانہ کے بڑے
بڑے دانشمندون اور صاحبان افکار کا بھی یہی مقولہ ہے کہ
آدمی جو کچھ اپنے دل مین خیال کرتا ہے ویسا ہی ہوتا ہے ۔
یعنی انسان کی شکل و صورت توائے دماغی اور جسمانی بلکہ اس کی
کامیابی ناکامی جو کچھ دنیا مین ہے سب اسی کے خیال پر منحصر ہے

اس کلیہ کی صداقت مین کسی کو شک و شبہ نہین اور اسی پر دنیا مین تمام تعلیم و تربیت کی بنیاد قائم ہے۔ مال و دولت حکومت اور عزت۔ لباس اور فیشن یونی ورسٹی کی تعلیم مدارس کے علم و ہنر کسی شخص کو انسان کامل بنا نہین سکتے۔ انسان کامل اور مہذب وہ خود اپنے ہی احساس اور خیال سے بن سکتا ہے اور اسی کی محنت اور جانفشانی اس کو خدا تک پہنچا سکتی ہے اور اسی اصول عادت کے ذریعہ سے وہ تخلیق با خلاق اللہ کا خلعت خاص پہن سکتا ہے۔

مگر کوئی شخص اخلاق اور مقدس کتابون کو پڑھ لینے اور ان کے اصول کو مان لینے سے سالک اور صوفی بن نہین سکتا۔ صوفی اور اہل دل وہی شخص ہو سکتا ہے جو زندگی بھر ان مقدس اصولون پر عمل درآمد کرتا رہے اور اس کے دل مین وصال حق اور اسرار حقیقت کے معائنہ کا ذوق و شوق ہو۔ وہ ان باتون پر عمل کرتا ہے جنھین لوگ کتابون مین پڑھتے رہتے ہین۔

سالکین اس اصول عادت کو بالکل علمی اور سائنٹفک طرز پر استعمال کرتے ہین اور اس سے پورے فائدے اٹھاتے ہین۔ طہارت جسم تزکیہ نفس تصفیہ قلب اور تجلیہ روح مین اسی اصول کو لگاتے ہین اور اس کی امداد سے ہر اکتساب و عمل مین کامیاب ہوتے ہین۔ اب ہم ذیل مین اس طریقہ کو بتاتے ہین کہ کس طرح سالکین اس اصول

عادت سے اپنے اشغال اور اکتسابات مین کام لیتے اور کسطرح اپنے دل کو تربیت کرتے ہین - اور اس اصول سے فائدہ اٹھاتے ہین

ابتدائی مراتب یعنی طہارت جسم

ہمارا مادی جسم بالکل عادت کا غلام ہے وہ نہایت ہی جلد ہر عادت کا تابع ہو جاتا ہے اور پھر اسی مین خوش رہتا ہے بعض اشخاص چار وقت بعض تین وقت - بعض دو وقت اور بعض دن رات مین ایک ہی وقت غذا کھاتے ہین - بعض اشخاص سر سے پاؤن تک کپڑون سے لدے رہتے ہین - اور بعض ایک کرتے اور تہ بندہی پر اکتفا کرتے ہین اور بعض بالکل ننگے رہتے ہین بعض چھ گھنٹے محنت کرتے - بعض سولہ گھنٹے اور بعض بالکل بیٹھے اور پڑے رہتے ہین یعنی کوئی محنت نہین کرتے یہ سب اشخاص اپنی اپنی حالت مین خوش ہین اور خلاف عادت سے انھین تکلیف ہوتی ہے -

جو لوگ اپنی باطنی قوتون کو ترقی دینا چاہتے ہین - انھین چاہئے کہ وہ اپنی روزمرہ عادتون کو احتیاط کے ساتھ جانچین اور جو رسم وعادت خلاف اخلاق حمیدہ نظر آئین یا جو راہِ سلوک مین سدِ راہ ہون انھین چھوڑنے کی کوشش کرین اور مجاہدے اور ریاضت سے کام لین -

پست ہمت ہونا نہین چاہیئے ۔ آہستہ آہستہ جسم کو اس تغیر غذا کا عادی کرنا چاہیئے اور ایک کھانے کو بتدریج دوسرے کھانے کی جگہہ قایم کرنا چاہیئے ۔ ایک قلیل ہی عرصہ مین تمہین اس بات کے مشاہدہ کرنے سے تعجب ہوگا ۔ کہ کس رغبت اور خواہش سے تم اس نئی غذا کو کھاتے ہو اور متروکہ غذا سے کسقدر متنفر ہو جاتے ہو۔

شراب ، سیندہی اور ہر قسم کی منشی اشیا سے اجتناب لازم ہی نہین بلکہ واجب بھی ہے ۔ شراب کا استعمال دوا تک مین کرنا نہین چاہیئے ۔ یہان اس بات کے کہدینے کی بھی ضرورت ہے کہ اگر سالکین کا طریقۂ زندگی اختیار کیا جائے گا ۔ تو دوا کی ضرورت ہی نہ پڑے گی اور امراض جسمانی ہی پیدا نہ ہون گے ۔ بلکہ صحت جسمانی اور قوت اعضائے جسم پورے طور سے حاصل ہو جائے گی ۔ شراب اور دیگر منشی اشیا کے استعمال سے دماغ کے نازک سیلز اور باریک ساختون پر خراب اثر پڑتا ہے اور اس کے دائمی بلکہ وقتیا استعمال سے بھی دماغ کی وہ اعلیٰ قوتین بگڑ جاتی ہین جن کے ذریعہ سے روحانی ترقی حاصل ہو سکتی ہے ۔ کیونکہ جب دماغ کا بھورا مادہ بے حس ہو جاتا ہے اور اس مین سستی اور پستی واقع ہوتی ہے تو اسوقت عالم مثال کے کھلنے کی امید بالکل جاتی رہتی ہے ۔

سچے اور پکے سالک اپنے ہر فعل بلکہ ہر خیال پر خواہ کیسا ہی حقیر کیون نہ ہو ایک نگران توجہ اور تفحص کن نظر رکھتے ہین ۔ وہ اکثر اپنے

روزمرہ کے افعال اور خیالات کی جانچ پڑتال کیا کرتے ہین۔ اور
جو حرکات خراب معلوم ہوتی ہین انھین مجاہدے اور ریاضت سے
چھوڑتے جاتے ہین۔ وہ اپنے دل ہی مین سے بُرے خیالات
اور بری خواہشون کو خار و ار درختون کی طرح سے اُکھاڑا کرتے ہین
تاکہ خصائل حمیدہ کی طاقت ورزور مین خلل نہ آجائے۔ وہ اپنے جسم کو
غسل اور طہارت سے پاک وصاف رکھتے ہین اور اپنے اعضائے
جسمانی کو بھی کسی مفید کام وریاضت سے تندرست وصحیح رکھتے ہین
وہ نہ اونی کپڑے پہنتے ہین اور نہ لباس اتنا تنگ وچست کرتے
ہین کہ اعضائے جسم کے نمو مین کوئی روک پیدا ہو اور ان کی حرکات
مین کسیقدر خلل واقع ہو۔

اس طرح مختلف طریقون سے سالکین اپنی زندگی کے جسمانی
رخ کی اصلاح کرتے ہین اور اس ناسوتی اور مادی زندگانی کو اصول
فطرت الٰہی کے مطابق اور مناسب بناتے ہین۔ اگرچہ اُنکی عادتین
اور طرز زندگانی نہایت ہی سیدھی سادی اور بہت باضابطہ اور
باترتیب ہوتی ہے مگر ساتھ ہی اس کے انکے قوائے جسمانی مین
کوئی خلل واقع نہین ہوتا۔ اور وہ ضعف بدنی سے کاہل اور سست
نہین ہوجاتے۔ غذا کے پرہیز کے ساتھ اسبات کا خیال بھی ضروری
کہ مرید کے قوائے جسمانی اور صحت مین کوئی فتور واقع ہونے نہ پائے
بلکہ برخلاف اس کے مرید کی طاقت اور صحت پورے طور سے قائم

رہے۔ اور اس کے ذہن اور دل مین کامل خوشی اور بشاشت
پائی جائے جیسے کہ دوپہر کے وقت آفتاب انتہائی عروج پر ہوتا ہے
اور اپنی شعاعین چارون طرف پھیلاتا ہے۔ اسی طرح ایک سالک
کے قلب کی حالت بھی ہونی چاہیئے جس سے خوشی اور بشاشت
کے اثرات چارون طرف پڑین اور جو اسکی صحبت مین آئین انکی
دلون مین بھی تھوڑی دیر کے لئے خوشی اور سرور سرایت کرجائے
اور ذرا دیر کے لئے جو اہل دنیا اس کے پاس آئین وہ دنیوی رنج
و افکار سے نجات پا جائین۔

روزمرہ کی زندگی مین دل کا تربیت کرنا

سچے سالک کو ضرور نہین کہ وہ انسانون کی صحبت چھوڑ کر جنگلون
پہاڑون پر جا کے بیٹھے اور وہان اپنی روحانی ترقی کے اکتساب
مین مشغول ہو۔ کیونکہ جو صفات حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ اور روحانی
ترقی وہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ وہ لوگون کی صحبتون اور تمدن کے
حلقے مین رہکر ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ معمولی آدمیون کی طرح شہرون
اور قصبون مین رہنا۔ لوگون کے ساتھ نشست و برخواست رکھنا
لوگون کی طرف سے جو سختیان اور ناگوار باتین واقع ہون۔ انھین
بطیب خاطر برداشت کرنا قدرتی آفتون اور مصیبتون کو صبر و استقلال
سے جھیلنا یہ سب وہ امور ہین جن کے ساتھ سالکین راہ خدا اپنے

اشتغال و اذکار کو قایم رکھتے اور انسانی سوسائٹی ہی مین رہکر تمام منازل آخرت طے کرتے ہین - ترک دنیا اس کا نام نہین کہ مرید سوسائٹی کو ترک کر کے حیوانون کی طرح پہاڑ کے تنگ و تاریک غارون اور گنجان جنگل جھاڑیون کے تنہا گوشون مین بیٹھے ۔

تمام اخلاق حمیدہ مین سب سے اول جو صفت قابل اکتساب ہے اور جو تمام صفات نیک کی اصل کہی جا سکتی ہے وہ صفت بے غرضی یعنی ایثار نفس ہے - جسطرح سے تمام اخلاق کی جڑ یہہ ایثار نفس اور بے غرضی ہے - اسی طرح تمام بدخلقیون اور برائیون کی جڑ اس کا ضد یعنی خود غرضی ہے - دنیا مین جس قدر جرائم بے رحمیان اور ایذا رسانیان اسوقت دکھائی دے رہی ہین - ان کا اصل یہی خود غرضی ہے - دنیا کی ساری مصیبتین آفتین اور درد دکھ اسی خود غرضی سے پیدا ہوئے ہین ۔

اگر انسان کے تمدن اور سوسائٹی پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے تو صاف ظاہر ہو جائے گا کہ بہت کم لوگ اس مذموم صفت خود غرضی سے بچے ہین - سب مین کسی نہ کسی طرح تھوڑا بہت خود غرضی کا رنگ دکھائی دے رہا ہے - خود غرضی سے بچنے اور ایثار نفس کی اعلی صفت حاصل کرنے کا یہ طریقہ نہین کہ ہم اسکا افسوس کرتے رہین کہ ہم مین یہ صفت موجود نہین بلکہ اس کے حصول کا دانشمندانہ طریقہ یہی ہے کہ ہم دوسرونکی

خدمت اور اعانت مین اس قدر سرگرم رہین کہ ہم اپنے آپکو بھول
جائین اور اپنی ذاتی منفعت کا خیال بھی دل مین نہ آنے دین ہمین
چاہئے کہ ہم ہردم دوسرون کے نفع رسانی کی فکر مین غرق رہین
اور کسی ذرا سے ایسے موقع و محل کو بھی ہاتھ سے جانے نہ دین
جس مین دوسرون کی کوئی خدمت ہم سے ہو سکتی ہے۔ ہمین
چاہئے کہ ہم دوسرون کو فائدہ پہنچانے کے لئے مختلف اسکیم اور
طریقے سوچتے رہین۔ اور وقتاً فوقتاً حسب موقع و محل انہین عملی
صورتون مین ظاہر کرین اس کی کوئی پروانہ کرنی چاہئے کہ لوگ ہماری
کامون کو دیکھیں یا انھین اچھا یا برا کہین ہمین اسکا خیال بھی فضول ہے
کہ جو کام ہم نفع رسانی کے لئے کرتے ہین وہ نہایت ادنی درجہ کا
گو کسی فائدہ کا کام حقیر ہو یا اعلی۔ اس کی ذرا بھی پروانہ کرنی چاہئے
صرف ہمین اس کام کو محض حسبتاً للہ کرنا چاہئے اور اپنی نیت مین
صرف فائدہ عام یا منفعت غیر کا خیال رکھنا چاہئے۔ اپنا ذاتی لگاؤ
اس فعل مین ہرگز نہ ہو۔ مریضون اور بیمارون کی خدمت کرو غمزدون
اور آفت زدون کو بھی اپنی صحبت اور دم دلاسے سے تسکین
دو۔ کمزور اور محتاجون کی اعانت کرو۔ اور انھین تقویت دو۔
اسی طرح ہر جگہہ اور ہر وقت ایثار نفس کی کوشش کرتے رہو اور
ہر لحظہ دوسرون کی خدمت و اعانت سے اپنی روحانی قوت کو
بڑھاتے رہو۔ مگر جو کچھ ایثار نفس کے کام تم کرو وہ خوشی اور بشاشت سے

کرو اور اس مین کوئی بے عزتی اور بے آبروئی نہ سمجھو اور دل مین
ہر دم یہی خیال رکھو کہ دوسرون کی خدمت سب عبادتون سے
افضل ہے اور اس کے بغیر کوئی شخص دنیا مین سچی خوشی حاصل
نہین کرسکتا۔ اور نہ نفس امارہ کے سخت پنجے سے چھوٹ سکتا ہے
مختلف ورد و وظائف قلب کو ایثار نفس کی طرف راغب کرتے
ہین مگر بغیر اکتساب اور ریاضت یعنی بغیر عملی کارروائی کے یہ
اعلیٰ درجہ کی فضیلت حاصل نہین ہوسکتی۔

جب ہم اپنے ہمدردی انسانی کے فرائض جو ایثار نفس یعنی
بے غرضی پر مبنی ہین۔ بطیب خاطر روزانہ انجام دیتے ہین اور
دوسرے اشخاص کی زندگی کا بار اپنے کاندھے پر اُٹھاتے ہین
اور ان کی حالت کو بہتر بناتے اور ان کو خوش کرنے کی کوشش
کرتے ہین۔ تو ہم اشیائے عالم کو دوسرون کی غائر نظر سے دیکھنے
لگتے اور ان کے مقاصد ہمارے مقاصد اور ان کے احساس ہمارے
احساس ہوجاتے ہین اور اسطرح ہمارے دل مین مخلوق کی
سچی محبت پیدا ہوتی ہے جو اصل غایت مرتبہ وحدت ہے۔
اور غیریت کے قطع کرنے کے لئے ایک تیغ بران ہے۔ اس
محبت سے ہمارے دل مین اخلاق حمیدہ اور فضائل پسندیدہ کی
خواہش پیدا ہوتی ہے اور ہم سب بنی نوع آدم کو ایک جان اور
ایک قالب سمجھنے لگتے ہین اور اس وقت توحید کے اسرار کا

انکشافات شروع ہوتا ہے جو اصل نجات اور سچا اسلام ہے۔ یہ
وہی محبت ہے جس کے وجود سے بڑے بڑے اولیا اللہ اور مہاتماؤن
نے وصال حق حاصل کیا ہے اور فنا فی اللہ کا اعلیٰ مرتبہ پایا ہے۔
اسی سچی محبت۔ اسی بے غرضانہ خدمت اسی دانشمندانہ
حکمت اسی خالصاً للہ ہمدردی مین سے بتدریج اندرونی الہام
اور انکشافات کا سلسلہ قایم ہونے لگتا ہے اور روشن ضمیری اور
تصرف ملک و ملکوت کی اعلیٰ قوتین حاصل ہوتی ہین اور غیب کے
اسرار کھلتے ہین۔ کیونکہ سالک توحید کا عملی سبق سیکھتا ہے۔ جو یہ
بتاتا ہے کہ عالم ہمہ اوست ہے۔ اور ماسوا اللہ کے کوئی شے موجود
نہین۔ اس عملی توحید کے بعد ہر شے مین سالک کو خدا ہی نظر آتا ہو
اور دیدار الٰہی سے جس کی خبر قرآن شریف مین دی گئی ہے
فیضیاب ہوجاتا ہے اسوقت فاینما تولوا فثم وجہ اللہ کی نظر یا دید
پیدا ہوتی ہے جس کے معنی یہ ہین کہ جدھر تم منھ پھیرتے ہوا دھر
خدا کا منھ ہے۔

جب یہ آگاہی اور دید سالک مین پیدا ہوتی ہے اور وہ دنیا کی
ہر شے کی حقیقت کو دیکھنے لگتا ہے جو ہزارون پردون مین چھپی ہوئی
ہے تو اسوقت سالک کی نظر سے حجاب ظلمانی اُٹھ جاتے ہین اور
وہ پھر کسی شے سے دھوکا نہین کھاتا اور کوئی اس کو فریب نہین
دیسکتا۔ شیاطین جن و انس کوئی اس کے اطراف آنے کی جرات

نہین کرسکتے۔

اس ہمدردی انسانی اور ایثار نفس کے بعد دوسری وہ صفات ہین جس کو بڑی احتیاط اور محنت سے حاصل کرنا چاہیئے۔ اس صفت کو معمولی زبان مین سچائی اور اصطلاح صوفیہ مین صداقت اور راستی کہتے ہین۔ سالک کو چاہیئے کہ سچی بات منھ سے نکالے اور جھوٹ سے سخت اجتناب کرے کیونکہ جھوٹ ایک گھرا پردہ ہے جو آدمی کے دل پر جھوٹ بولنے سے واقع ہوتا ہے۔ سالک کی زبان تعصب۔ عناد اور غیر واقعیت سے پاک وصاف ہونی چاہیئے۔ اور جو کچھ وہ بیان کرے یا زبان سے کہے پوری سچائی اور واقعیت کی تصویر ہو۔ اس مین ذرا بھی کسی مبالغہ اور تعصب کی آمیزش نہ ہو۔ اور وہ ہمہ تن اپنی زبان اور اپنے کام اور اپنے خیالات مین کامل صادق اور پورا سچا ہو۔ اور اس کا کلام اور اس کے افعال ریا اور تصنع سے بالکل مبرا ہون۔

ایثار نفس اور راستی کے بعد اور فضایل بھی ہین جن کا اکتساب بھی سالک کے لیئے ضروری ہے۔ ان مین سے بعض کے نام ہم یہان درج کرتے ہین۔ ان کی تفصیل کی یہان چندان ضرورت معلوم نہین ہوتی۔ کتب اخلاق ان صفات عالیہ کے مفصل بیان سے بھری ہوئی ہین۔ ان ضروری صفات کے نام یہ ہین۔ صبر قناعت۔ حلم۔ رفق۔ امانت۔ سخاوت۔ ہمت ارادہ وغیرہ۔

مگر ان سب اخلاق کی اصل قوت ارادہ ہے جس کا اکتساب ایک خاص طور پر کیا جاتا ہے۔ اگر ان صفات حمیدہ کو کوئی نفس کشی اور ریاضت اور مجاہدے سے حاصل کرے گا۔ تو تخلق باخلاق اللہ کا مصداق ہو جائے گا۔ کرمنا بنی آدم کا خلعت خاص پہنے گا۔ اگر ہم پہلے ان اخلاق کے معنی سمجھ لین گے۔ اور پھر صبر و استقلال سے ان پر عمل کرتے رہین گے۔ تو کوئی شے مانع نہین کہ ہم مین یہ فضائل پیدا نہ ہون۔ صرف صبر اور ثبات درکار ہے اور ہمت اور شوق کی ضرورت ہے۔

توجہ یا ہمت یعنی خیال کو ایک ہی مرکز پر قایم کرنا

جب ہم کسی کام کو پوری توجہ کے ساتھ کرتے ہین تو اس مین بے انتہا ترقی ہوتی ہے۔ کسی ایک شے پر خیال کو اس طرح جمانا کہ دل مین اس شے کے تصور کے سوا اور کسی شے کا تصور نہ آئے اس کارروائی کو ہم توجہ یا ہمت کہتے ہین۔ انسان مین یہ ایک اعلیٰ درجہ کی قوت ہے جس کے فائدے حد شمار سے خارج ہین۔ خواہ کوئی شخص سالک ہو یا نہ ہو سب کو یہ قوت نہایت ہی بکار آمد ہے۔

دنیا کے ہر کام۔ ہر پیشہ اور ہر حرفہ مین بھی توجہ اور ہمت کامیابی کی جڑ ہے۔ جب کسی ایک بات یا مسئلہ پر پوری توجہ سے خیال جمایا

جاتا ہے اور ہمہ تن دل اسطرف رجوع ہو جاتا ہے تو وہ مسئلہ گو کیسا ہی مشکل و دشوار ہو جلد حل ہو جاتا ہے۔ اس لیئے واقف کار اشخاص ایک ہی مسئلہ یا فن مین ایک وقت تک جب تک کہ وہ تصفیہ نہ پائے اپنی توجہ کو مصروف رکھتے ہین۔ اور کسی دوسرے مسئلہ کو ہاتھ نہین لگاتے گو وہ کیسا ہی مفید کیون نہ ہو یہی وہ راز سر بستہ ہے جس سے دنیا مین لوگ ہر علم اور ہر فن مین کامیاب ہوئے ہین اور بڑی بڑی شہرت اور عزت حاصل کی ہے۔ اور اس کے خلاف جہان پایا گیا ہے وہان عمر بھر بجز ناکامی کے اور کچھ ظہور مین نہین آیا۔ اسی توجہ اور ہمت کی اکتساب سے لئے یعنی ایک وقت مین ایک ہی کام کرنے کی عادت نے دنیا مین ہزارون اشخاص کو اپنے مقاصد مین کامیاب کر دیا ہے۔

اس اعلیٰ درجہ کی قوت توجہ کو حاصل کرنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ مزاولت اور مداومت ہے۔ یعنی جس کام کو اختیار کرین اسی کو صبر و ثبات کے ساتھ برسون تک کرتے رہین اور دل کو ادھر اُدھر متوجہ نہ کرین۔ اس جواہر بے بہا کو کوئی دوسرا شخص دے نہین سکتا۔ یہ تو صرف اپنی ہی ذاتی محنت و اکتساب سے حاصل ہوتی ہے۔ ایک مرشد یا پیر اپنے مرید کو اس قوت کے حاصل کرنے کا راستہ بتا سکتا ہے۔ مگر اس مین

اپنے تصرف سے اس قوت کو مہیا کر دینا بڑی ہی دشوار بلکہ تقریباً
ناممکن ہے۔
مرشد مرید کے دل پر ایک حد تک توجہ ڈال سکتا ہے۔ مگر اس کو
قوت دے نہیں سکتا۔ خارجی حرارت سے لوہا گرم ہو سکتا ہے
مگر جب آگ سے دور کیا جاتا ہے۔ تو پھر ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ یہی
حال بعینہ مرشد کامل کی توجہ کا بھی ہے۔
اس توجہ کے حاصل کرنے کا سہل طریقہ یہ ہے کہ جو کام روز مرہ
کرتے ہین وہ پوری توجہ کے ساتھ کیا جائے۔ اور اس کو جہان تک
ممکن ہو نہایت ہی عمدگی اور بہت ہی دلدہی اور ہنرمندی سے
کرین۔ کسی کام کے کرنے مین جلدی اور سستی اور بے پرواہی نہ کی
جائے۔ غرضکہ جس کام کو کرین اوس کو خوب سوچ سمجھکر کرین۔ اور
جہان تک ممکن ہو اسکو نہایت ہی خوبی اور تکمیل کے ساتھ انجام دین
اس طرح ہر وقت اپنے روز مرہ کے کامون مین توجہ اور ہمت کا
اکتساب اور عمل جاری رکھہ سکتے ہین۔
سالکین اور دنیا دارون دونو کو تعلیم و تربیت کی ضرورت ہے
اس قوت توجہ کی ترقی سے انسان کو اپنے بے چین اور مضطرب
دل پر حکومت حاصل ہوتی ہے۔ اور اس حکومت کے ساتھ وہ
اپنے خیال پر پورا قادر اور متصرف ہو جاتا ہے اور اپنے اندر ایک
ایسی زوردار قوت پاتا ہے۔ جس کے بیان کرنے کے لئے ہماری

زبان مین الفاظ موجود نہین ہین -

وہ دل جو تربیت سے پہلے ایک ناکندہ بچھیرا یا ایک طفل بے چین تھا - اب تربیت اور اکتساب کے بعد ایک شائستہ گھوڑا یا ایک مہذب آدمی ہے جو باگ کے اشارے پر یکسان قدم کے ساتھ چلا جاتا ہے اور ذرا بھی ہماری مرضی کے خلاف اُدہر ادہر نہین ہوتا - اب ہم اس شایستہ قلب سے بڑے بڑے کام لیتے ہین جنھین اہل دنیا دیکھکر دنگ رہ جاتے ہین -

مراقبہ

اصول عادت سے سالکین بہت بڑے فائدے اُٹھاتے ہین اور اپنے دل کو قابو مین لانے ہی مین صرف اس اصول سے مدد نہین لیتے بلکہ اپنے آپ کو تخلق باخلاق اللہ کے اکتساب مین بھی اسی سے امداد طلب کرتے ہین اسی اصول تکرار اوردوامیت اور مزاولت سے یہ تمام قوتین حاصل ہوجاتی ہین - دل کی توجہ کو ایک خیال پر یا کسی ایک مسئلہ علمی پر لگا دینے کو مراقبہ کہتے ہین سب سے عمدہ مراقبہ تصور شیخ ہے جس کو ایک مرشد کامل تفصیل کے ساتھ مرید کو بتا سکتا ہے -

مراقبہ کا عام طریقہ یہ ہے کہ پچھلی رات سے ایک تنہا مقام مین ہر روز بیٹھتے ہین - خواہ یہ نشست دوزانو ہو یا چارزانو - اور اپنی

آنکھین بند کرکے بائین جانب قلب کے مقام مین تصور شیخ جاتے
ہین یا قرآن شریف کی کسی ایک آیت پر غور و فکر کرتے ہین۔ جہان
تک ممکن ہو اس وقت ایک ہی تصور دل مین رہے اور ایک ہی
آیت کے متعلق خیالات آئین۔ جب خیال دوسری جانب بہاگے
تو پہر اس کو کھینچکر اسی مقام پر لائین۔ ہر روز اس شغل کے جاری
رکھنے سے ایک مدت دراز کے بعد یکسوئی کی عادت پیدا ہوتی ہی
مرید کو چاہیئے کہ پہلی ناکامیون سے برداشتہ خاطر نہ ہو جائے۔ اور
اپنے اشغال کو چھوڑ نہ بیٹھے۔ اوس کو چاہیئے کہ بتدریج اس شغل کو
بڑہاتا جائے اور کسی مسئلہ کا مراقبہ کرنے مین اس بات کا خیال
رہے کہ اس کے متعلق اسقدر سوچے کہ اوس کے تمام پہلوؤن پر
نظر پڑے تاکہ کوئی بات باقی نہ رہے۔ کسی مسئلہ کے سوچنے
مین جلدی نہ کرے بلکہ اس کو مہینون اور برسون سوچتا رہے۔ تب
اس کے اسرار باطنی سمجھ مین آئین گے۔

جب تک کسی شخص کو ذاتی تجربہ حاصل نہ ہو جائے۔ اوسوقت
تک وہ اس بات کو کبھی باور نہ کرے گا کہ ایک قلیل وقت مین
مراقبہ کے ذریعہ سے کیا قوت اور کیا علم اور کیا اسرار باطنی حاصل ہوتے
ہین جو عمر بھر کتابون کی اوراق گردانی اور وعظ اور لیکچرون کے سننے
سے بھی نصیب نہین ہوتے۔ یہ چند منٹ کی توجہ کسی خاص امر یا
مسئلہ مین وہ کام دیتی ہے جو برسون مدارس کے سخت امتحانون کے

پاس کرنے سے بھی روحانی کامیابی میسر نہین ہوتی۔ اس متواتر مراقبہ سے نئے مناظر اور سین ہمارے دل کی آنکھون کے سامنے آجاتے ہین جن کا مشاہدہ اور کسی تدبیر سے ہو نہین سکتا۔ بعض اوقات عالم مثال کے بے انتہا خوبصورت مرد اور عورتین اور باغ و مکانات اور وہ وہ خوشنما رنگ ہمین دکھائی دیتے ہین جنھین کوئی دنیا کا مصور یا شاعر یا نثار اپنی ظاہری اور باطنی رنگ آمیزیون سے لوگون کو دکھا نہین سکتا۔ بعض اوقات اشیا عالم کی وہ باہمی نسبتین ہمارے ذہن مین گزرتی ہین جنھین اہل فلسفہ اور حکمائے زمان برسون خاک چھانین تب بھی حاصل نہ کر سکین۔ کبھی ہمارے دل مین آیات قرانی کے ایسے معنی خود بخود پکے ہوئے پھل کی طرح ٹپک پڑتے ہین جسے الہام کہتے ہین کہ اگر علمائے ظاہر اور متکلمین صدہا سال تک ان پر غور کرین تب بھی ان دُر بے بہا کو نہ پائین۔ جن باتون سے ہمارے فرشتے بھی واقف نہ تھے وہ مراقبہ سے ایک آن واحد مین ہمارے دل مین بغیر سوچے سمجھے آجاتی ہین۔ جو علم مراقبہ سے تنہائی مین حاصل ہوتا ہے وہ یونی ورسٹیون اور کالجون کے پر شور و غل کلاسون اور لیکچرارون کے ٹھاٹھس بھرے ہوئے ہالون مین نصیب نہین ہو سکتا۔ یہ اعلیٰ درجے کے علوم و معارف بالکل سناٹے اور پوری خموشی اور سکوت ہی مین منکشف ہوتے ہین۔

کبھی ایک عمدہ خلق یا اچھی خصلت پر مراقبہ کیا جاتا ہے اور اس کا

طریقہ یہ ہے۔ مثلاً ہم صفت عدل کو ایک مضمون یا مرکز غور و فکر مقرر کریں اور اسی صفت پر ہر روز معین وقت پر ایک ماہ تک غور و فکر تنہائی مین بیٹھکر کرتے رہین۔ ہمکو یہ سوچنا چاہیے کہ عدالت کیا ہے اور اس کے فوائد اور نتائج کیا ہین اور اس کا ضد نا انصافی اور ظلم دنیا کو کیا نقصان پہنچاتا ہے۔ جب ہم عدل کے تمام پہلوؤن کو اچھی طرح سوچ لین تو پھر سب کے بعد ہمین یہ خیال کرنا چاہیے کہ ہم ایک عادل آدمی ہین اور اپنے تمام حرکات و سکنات اور روزمرہ کے کاروبار مین اعتدال کو نظر رکھتے ہین اور اس صفت کے ساتھ لوگون کے مجمع اور جلسون مین پھرتے چلتے ہین۔ ہماری بول چال۔ رفتار و گفتار اور عادات و رسوم سب مین اعتدال موجود ہے۔ گویا کہ ہم عدل کی مجسم تصویر ہین۔

اس مراقبہ سے بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ جب صبح کے بعد ہم کاروباری دنیا مین مصروف ہوتے ہین اور لوگون سے ملنے جلتے ہین۔ تو ہمیشہ عدل و انصاف اور اعتدال کا خیال رکھتے اور خود بخود ظلم سے ہمارا دل بھاگنے لگتا ہے۔ اور اس طرح جو کچھ ہم نے صبح کو سوچا تھا اس پر خود بخود عمل درآمد ہونے لگتا ہے۔ اور اعتدال کی صفت کے استعمال مین ہمین پوری آسانی واقع ہوتی ہے۔ اسی طرح ہم اور صفات اور اخلاق پر مراقبہ کرسکتے ہین جنھین ہم حاصل کرنا چاہتے ہین۔ یہ ہے ایک سہل طریقہ مفید مراقبات کا جنھین مرشدان کامل اور رہنما تمام مریدون کو بتاتے ہین اور اس طریقہ سے بتدریج

انسان مین جمیع اخلاق حمیدہ حاصل ہو جاتے ہین اور وہ تخلق باخلاق کا مصداق اور خلیفۃ اللہ کہلانے کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اور اسی طرز مراقبہ سے رفتہ رفتہ سالک پر عالم مثال کے اعلیٰ طبقات کھل جاتے ہین اور وہ اپنی باطنی نظر سے تمام عالمون کی سیر کرنے لگتا ہے۔

اس قسم کے مراقبات سے مرید ہر قسم کی قوت اور اخلاق رفتہ رفتہ حاصل کر سکتا ہے اور اس کے دل کو کامل تربیت ہو جاتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ دماغ کی حالت بھی بدلتی جاتی ہے۔ اور اس کے سیلز اور ساخت مین ترقی ہوتی جاتی ہے۔ اور غذا کی پاکی اور جسم کی طہارت کے ذریعہ سے اور ان مراقبات کے وسیلہ سے آہستہ آہستہ دماغ مین یہ صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ عالم مثال کی نازک تحریکون کو محسوس کرنے لگتا ہے اور اس مین اس غیر مرئی عالم کے نقشے اور تصویرین منطبع ہونے لگتی ہین جنھین ہم مراقبہ اور خواب کے بعد اچھی طرح یاد رکھتے ہین۔

تصور شیخ

مراقبہ کی ایک اعلیٰ قسم تصور شیخ ہے اس مراقبہ سے ہمارے قلب وروح کی سب قوتین ترقی کرتی ہین اور ہم پر عالم مثال۔ عالم جبروت اور دیگر عوالم ارواح کھل جاتے ہین بعض مرشد مرید کو اپنا تصور بتاتے ہین اور بعض کسی بہت بڑے ولی یا قطب کا تصور

کراتے ہین جس کی تصویر یا مورت پائی جاتی ہے۔ بعض ہندو بدھا کرشن یا گرو کا تصور کرتے ہین۔ اور بعض اشخاص خود اپنا یا اپنے کسی عزیز یا دوست کا تصور کرتے ہین جس کے ساتھ انھین محبت یا عشق ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک پیر کا تصویر سب سے زیادہ مناسب ہی۔

بعض مہاتما اور گرو کا تصور اس طرح کرتے ہین کہ ان کے فضایل اور اعلیٰ درجہ کے اخلاق کو سوچتے ہین۔ ان کا عدل و انصاف انکی ہمدردی انسانی۔ ان کا رحم و کرم۔ ان کی ریاضت وغیرہ سب صفات پر نظر رکھتے ہین اور ان کے اخلاق اور عادات کا پورہ خاکا اتارتے ہین اور اس بات کی کوشش کرتے ہین کہ جیسے وہ تھے ویسے ہی ہم بھی ہوجائین۔ بعض اشخاص بڑے بڑے اوتارون اور اقطاب زمان کی سوانح عمریان تلاش کرکے پڑھتے ہین اور انکے اخلاق و عادات پر غور کرتے ہین اس مراقبہ سے رفتہ رفتہ ان اولیا اللہ کی ارواح انکی امداد کرنے لگتی ہین اور وہ خود فنافی الشیخ کا مرتبہ حاصل کرتے ہین جس کو عشق کہتے ہین۔

بعض اشخاص تصور شیخ اسقدر رکھتا کرتے ہین کہ انھین ہر چیز مین شیخ ہی دکھائی دیتا ہے اور جو ان سے کلام کرتا ہے اوس کو شیخ ہی سمجھتے ہین۔ فنافی الشیخ اسی صوفی کو کہتے ہین جس کو عالم مین بجز شیخ کے اور کچھ نظر نہین آتا۔ اس کے بعد فنافی الرسول کا مرتبہ ہے اور اسکے بعد فنافی اللہ کا۔ مگر یہ پچھلے دو مرتبہ اسی پہلے مرتبہ پر مرتب

ہین - اور اصل مرتبہ وہ فنا فی الشیخ ہے جو سخت مجاہدون اور بہت ریاضتون کے بعد خوش قسمتی سے نصیب ہوتا ہے -

مگر ہمین عالم مثال اور عالم ارواح مین فرق کرنا لازمی ہے - کیونکہ نفس اور روح مین بہت بڑا فرق اور امتیاز ہے - روح کی وہ قوت جو دماغ کے وزریعہ سے کام کرتی ہے مدرک عالم مثال کہی جاتی ہے اور یہ قوت روح کا ایک ادراک خاص ہے جو بغیر دماغ کے حاصل نہین ہوسکتا - مگر روحانیت خالص کا یہہ حال نہین - عالم مین صرف ایک ہی ذات احد کو دیکھنا اور ماسوا اللہ سے انکار کرنا اعلیٰ درجہ کی روحانیت ہے جس کو وحدت یا توحید کہتے ہین اس کل عالم کو صرف ایک ذات مقدس کا ظہور خیال کرنا اور اینما تولوفثم وجہ اللہ (یعنی جدہر منہ کرو اودہر اللہ کا منہ ہے) کی آیت کو سمجھنا اور اس پر عمل ودرآمد کرنا اسی کا نام فنا فی اللہ ہے اور یہی تمام ترقی کی معراج ہے -

عالم مثال کا کھلنا

جب کوئی مرید اپنے مراقبہ اور مشاہدہ مین برسون غرق رہتا ہے اور یہ اشغال روزآنہ صبح کو کرتا ہے اور ہزارون ناکامیون پر بھی پست ہمت اور مایوس نہین ہوتا ہے - تو آہستہ آہستہ اس مین یہ استعداد پیدا ہوجاتی ہے کہ وہ جب تک چاہے ایک ہی

خیال کو دل مین قائم رکھ سکتا ہے۔ اور آخرکار وہ اس مرتبہ پر پہنچتا ہے
کہ یہ خیال بھی دل سے محو ہو جاتا ہے اور ایک حالت نوم و یقظہ کی
پیدا ہوتی ہے۔ اسوقت نہ کوئی خیال اسکو کسی بیرونی شے کا ہوتا ہے
اور نہ اندرونی چیز کا صرف ایک محویت کا عالم طاری ہو جاتا ہے
جس مین اپنی ذات کا علم بھی نہین رہتا۔ اس حالت مین روح یا
آگاہی دماغ سے چلی جاتی ہے اور مرید اپنے آپ کو دفعتًا عالم
مثال مین پاتا ہے۔ اور اس کے ہوش و حواس اس غیر مری دنیا
مین ایسے ہی برجا رہتے ہین جیسے کہ اس عالم مادّی مین تھے وہ
اپنے حواس باطنی سے اس عالم کی چیز کو دیکھتا اور ادراک کرتا ہے
یہ نوم و یقظ کی حالت اس وسیع آگاہی کا مقدمہ ہے جو روح کو
حاصل ہے۔ یہ وہ حالت ہے جس کا انتظار سالک کو مدت دراز سے
تھا جس کے حصول کے لئے اس نے راتون کی نیند اور جسم کی راحت
ترک کر دیا تھا۔ عالم مثال کھلجانے کے بعد دماغ اور روح دونوں کی
آگاہی ایک ہو جاتی ہے۔ اور چشمے اور سمندر مین ایک گہرا تعلق باہم
ہو جاتا ہے۔ اس موقع پر دماغ روح اور روح دماغ کہے جا سکتے ہین
اور دونو ملکر ایک ہو جاتے ہین۔

عالم مثال کے کھولنے کا ایک خاص طریقہ

ان طریقون کے علاوہ جنھین ہم بیان کر چکے ہین عالم مثال کے

بہت جلد کھل جانا کا ایک خاص طریقہ بھی ہے جسکو ہم لکھ نہین سکتے اور جس کی اشاعت کئی وجوہ سے ممنوع ہے۔ اس کتاب کی تکمیل کے لیئے یہ ضرور ہے کہ ہم اس طریقہ کا ذکر اجمالی طور پر کردین مگر اس کی تفصیل تعلیم کا شایع کرنا نہایت ہی پرخطر ہے۔ اس طریقہ صرف مرشد کامل ہی کسی لایق مرید کو زبانی تعلیم کر سکتا ہے۔ اور جب کسی مرید مین اس طریقہ کے سیکھنے کی پوری استعداد حاصل نہین ہوتی اسوقت تک اسکو کوئی مرشد کامل ملتا ہی نہین ہے۔

اس خاص طریقہ کی اشاعت جو نہین کی جاتی ہے تو اس کا اصلی سبب کسی خود غرضی یا بخل پر مبنی نہین بلکہ خاص وجہ یہ ہے کہ اس کی تشہیر سے عوام الناس کو سخت نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے جس کی روک ضروری ہے۔ اگر کوئی نااہل آدمی کسی تدبیر سے اس طریقہ کے عمل کو معلوم کر لے گا جو اس عمل کے اکتساب کے لیئے علماً۔ اخلاقاً ازروئے اتقا اور طہارت جسمانی کے تیار نہین ہے اور پھر اس طریقہ پر عمل درآمد بھی شروع کرے گا۔ تو وہ ضرور اپنے آپ کو ہلاک کر لے گا یا دماغی اور عصبی خرابی مین گرفتار ہو جائیگا یا ایک نہایت سخت عیاش اور ناقابل برداشت نفسانی آدمی ہو جائیگا کیونکہ غیر متقی آدمی مین اس طریقہ عمل سے اس قوت کا میلان اسفل کی طرف ہو جاتا ہے جو اس شغل خاص سے پیدا ہوتی ہے اور پھر یہ عامل اس قوت کو اپنے قابو مین رکھ نہین سکتا۔

اس خاص طریقہ کے عمل سے جس کو نہایت ہی مختصر الفاظ مین ہم یہان بیان کرتے ہین - اعلیٰ درجہ کے قوائے مثالی نمو کرتے ہین اور ان کے نمو سے ایک نہایت ہی پر زور قوت پیدا ہوتی ہے جس کو کنڈلنی یا آتشی سانپ کہتے ہین اور جو ریڑہ کی ہڈی کے تلے ہر آدمی مین پائی جاتی ہے - جب یہ قوت ایک مرتبہ چونک جاتی ہے اور اس کو ایک مناسب اور اعتدالی طور پر کسی خاص طرف لگایا جاتا ہے - تو اس وقت وہ زور کے ساتھ نیچے سے اوپر کی طرف صعود کرتی ہے اور جسم کے مخصوص چکرون کو زندہ کرتی اور تقویت دیتی ہے -

یہ مرکز یا چکر جن کا طول و عرض دو انچہ تک ہوتا ہے - انجن کے گھومتے ہوئے پہیون یا حلقون کی طرح ہوتے ہین یہی چکرا ایک طرح کی نہرین ہین جن کے ذریعہ سے عالم مثال کی فورس یا قوت دماغ اور اعصاب تک پہنچتی ہے - یہ مرکز یا چکرا تھیریل جسم مین پائے جاتے ہین اور ان کے خاص مقامات یہ ہین - ریڑہ کی ہڈی کی اسفل جڑ طحال - ناف - قلب - یا دل - حلق - دو لو ابروؤن کے بیچ کا مقام - سر کے اوپر کا حصہ یا چوٹی -

جب ان مرکزون یا چکرون کے ذریعہ سے کنڈلنی یا آتشی سانپ چونکا یا جاتا ہے اور یہ قوت زور کے ساتھ ان مرکزون سے نکلتی ہے تو اس وقت یہ مرکز عالم مثال کی تحریکون کو محسوس کرنے لگتے ہین اور

طالب پر عالم مثال پورے طور سے کھل جاتا ہے۔ مگر ہر شخص کی مرکزون کی حالت مختلف ہوتی ہے اور اسی وجہ سے مرکزون کی قابلیت اور استعداد کا لحاظ بھی رکھنا پڑتا ہے۔

لیکن اگر مرید یا طالب ہوائے نفسانی اور خواہشات شہوانی سے پاک نہین ہے اور اگر اس نے عورت کے پاس جانے سے قطعی پرہیز نہین کیا ہے۔ تو ایسی صورت مین اس عمل سے اس کو شدید نقصان آید حال ہونے کا یقین کامل ہے۔ کیونکہ اس صورت مین یہ آتشی سانپ اوپر جانے کی عوض نیچے کی طرف آئے گا اور اس کی قوت شہوت یا عورتون کی خواہش اس قدر شدید ہو جائے گی کہ وہ نہایت ہی سخت جرائم شہواتی کا مرتکب ہو جائے گا۔ اور وحشیانہ سی وحشیانہ افعال اس سے صادر ہون گے۔

اس مین کوئی شک و شبہ نہین کہ اس خاص طریقے سے بہت جلد اور آسان طور پر عالم مثال کھل جاتا ہے۔ مگر چونکہ اس طریقہ مین عورت کے پاس جانے کی سخت ممانعت ہے اور خواہشات شہوانی کا کامل پرہیز ہے۔ اس لئے اس شغل کی جرات ہر شخص کو کرنی نہین چاہیے اگر اس شغل کا کوئی سچا طالب ہے۔ تو اوس کو چاہیے کہ کسی مرشد کامل کو تلاش کرے۔ کتابون مین اس سے زیادہ لکھنے کی اجازت نہین مگر ہماری خاص رائے تو یہی ہے کہ مرید کو چاہیے صبر و ثبات سے طریقت کی شاہراہ عام پر چلے اور اتقا۔ مراقبہ اور مشاہدے کے ذریعہ سے

بغیر کسی خوف و خطر کے منازل باطنی طے کرے۔ اور بتدریج عالم مثال کے طبقات کی سیر کرے۔ آخر مین یہ ضروری ہدایت قابل تاکید ہے کہ ان تمام اذکار و اشغال مین روزانہ اکتساب کی بہت ضرورت ہو۔

فصل ۹۔ فنا فی اللہ اور بقا باللہ

کوئی مرتبہ بلند ایسا نہین ہے کہ انسان اسکی خواہش کرے اور اپنے ارادے مین پختہ ہو جائے اور وہ اسے نصیب نہ ہو۔ انسان مین قوت ارادہ ایک ایسی زوردار قوت ہے جس سے ہر ناممکن شئے بھی ممکن ہے کیونکہ ہمارے اندر حضرت حق جلوہ گر ہین اور اس ربانی وجود مین جمیع اسما و صفات موجود ہین اور ہر قسم کی قوت اس مین مخفی ہے۔ یہ ہماری کمزوری یہ ہمارا نقص یہ ہماری جہالت یہ ہماری پست ہمتی سب ہمارے ہی جسم سے پیدا ہوتی ہے جس مین یہ وجود ربانی مقید ہے۔

یہ دنیا ایک مدرسہ ہے جہان ہم صدہا زندگیان علم اور تجربہ حاصل کرنے مین گذارتے ہین اور بتدریج اس جسم پر حکومت کرنا اور اس کو قابو مین لانا سیکھتے ہین اور اس کثیف مادے کو اپنی قوت ارادے کا ماتحت کرتے ہین۔ ایک زمانہ مین ہم ہی وحشی آدمی تھے اور جنگلون پہاڑون مین درختون کے پتے اور جڑین کھاتے پھرتے تھے۔ صدہا جنمون کے بعد ہم مین تہذیب و شایستگی پیدا ہوئی ہے اور اب ایک وہ زمانہ آنے والا ہی کہ ہم ہی حضرت حق کی درگاہ مقدس کے فرشتگان عرش اعلی اور مقربان

خداوند تعالی ہو جائین گے۔

وحشت کے ادنیٰ درجہ سے تمدن کی اعلیٰ معراج تک جو تبدیلیان واقع ہوئی ہین اور ہوتی جاتی ہین وہ دراصل روح مین نہین ہوئین جسے انا یا ہم تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ ساری تبدیلیان اور یہ تمام تغیرات جسم مین واقع ہوتے ہین۔ ترقی اور نمو خارج جسم سے نہین آتی اور کوئی قوت باہر سے اگر ہمارے اندر گھس نہین جاتی۔ بلکہ تمام ترقیان اور ساری قوتین ہمارے ہی اندر غفلت کی حالت مین موجود ہین۔ جب وہ اس غفلت سے بیدار ہوتی ہین۔ تو ترقی اور نمو کی مصداق ہو جاتی ہین۔ اور اسی کارروائی کو ہم ترقی اور نمو کہتے ہین جب وہ بہت بڑا استاد تجربہ یا علم ان اندرونی قوتون کو دوران حیات عالم ناسوتی مین بیدار کرتا ہے۔ تو یہ قوتین پہلی دفعہ کونپلون کی طرح نمودار ہوتی ہین اور خود غرضی نفسانیت اور حیوانیت کے مختلف سیاہ اور سنگین پردون مین اپنی چمک اسیطرح دکھاتی ہین۔ جس طرح کہ ایک شمع کی روشنی کثیف اور میلے آئینون مین سے نظر آتی ہے۔

مگر جب ہم یکے بعد دیگرے اپنی قوتون کو ابھارتے اور انھین ترقی دیتے ہین اور ہر خلق حسنہ سے اپنے آپ کو آراستہ کرتے ہین۔ تو اسوقت ہم تخلقوا باخلاق اللہ کے مصداق ہو جاتے ہین اور ہمارے اندر سے آفتاب وحدت چمکنے لگتا ہے اور اپنی شعاعین اور نور اس جسم کے باہر ڈالنا شروع کرتا ہے اور ہمارے حواس ظاہری ادراک باطنی کے مطابق ہو جاتے ہین اسوقت اس حدیث شریف کا مضمون ہم پر صادق آتا ہے کہ خلق آدم علی صورتہ

یعنی حضرت آدم (انسان) خدا کی صورت پر پیدا کئے گئے ہین جب ہم مین خدا کی صورت ظاہر ہو جاتی ہے۔ تو اسوقت ہم زمین پر انی جاعل فی الارض خلیفہ (ہم نے آدم کو زمین پر اپنا جانشین بنایا) کے مستحق ہو جاتے ہین اور اوسوقت تمام ملائک ہمکو سجدہ کرتے ہین اور جو ہمارے سجدے سے انکار کرتا ہے وہ ابلیس ہو جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن شریف مین فرمایا گیا ہے۔
واذ قلنا للملائکۃ اسجدوا لآدم فسجدوا الا ابلیس ابی واستکبر وکان من الکافرین
یعنی ہم نے فرشتون سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو اور اونھون نے اس کو سجدہ کیا۔ مگر ابلیس نے نہین کیا اور انکار کیا اور غرور کیا۔ اس لئے وہ کافرون مین داخل ہو گیا۔ جب ہم معراج کمال انسانی پر پہنچتے ہین اور ہم مین خدا کی ہر صفت اور قوت ظاہر ہوتی ہے اور ہم پر تمام زمین اور آسمان کے طبقات کھل جاتے ہین اور ابدی اور ازلی اشیا کا علم یعنی لوح محفوظ کا علم ہمکو برائے العین ہو جاتا ہے تو ہم پر الہام یا وحی نازل ہوتی ہے اور اسوقت خود حضرت حق اس قالب جسمانی مین جلوہ افروز ہوتے ہین۔ اور اسوقت آخری معراج ہمکو نصیب ہوتی ہے۔ جسکو صوفیہ کرام کی اصطلاح مین مرتبۂ انا کہتے ہین۔ یہ وہی مرتبہ انا ہے جو سب سے پہلے ہمارے رسول مقبول کو حاصل ہوا تھا۔ اور اسی کو زبان شرع مین معراج سے تعبیر کرتے ہین۔ اس لئے اس امت محمدی کی نسبت خداوند تعالی نے فرمایا ہے
کنتم خیر امۃ اخرجت للناس۔ یعنی تم سب سے زیادہ بہتر قوم یا جماعت ہو جو خلق اللہ کی تعلیم و ہدایت کے لئے پیدا کئے گئے ہو۔ اس وجہ سے رسالت

ختم ہوگئی کہ اب مرتبۂ توحید مین اضافہ کی گنجایش نہین رہی۔ کسی پیغمبر سلف نے توحید افعالی کی تعلیم دی اور کسی نے توحید صفاتی کی اشاعت کی مگر ہمارے خاتم الرسل حضرت محمدؐ صلعم نے ہمین توحید وجودی بتائی جو انتہائی مقام وحدت ہے۔

اس لئے ہر شخص کو چاہیئے کہ وہ ہمیشہ اپنی روحانی ترقی کو اپنی دنیوی کاروبار کے ساتھ قایم رکھے اور کسی وقت اس مقصود حیات کو نہ چھوڑے۔ حضرت حق کا نور اور جلوہ ہر دل مین موجود ہے کوئی آدمی خواہ وہ عورت ہو یا مرد۔ ہندو یا مسلمان۔ دہیڑ ہو یا چمار اس جلوۂ حق سے خالی نہین۔ خواہ بچے ہون یا بوڑھے۔ پاک ہون یا ناپاک جاہل ہون یا عاقل سب مین یہ خدا کے نور کی چنگاری پائی جاتی ہے۔ صرف اس کو دہکانے اور بار بار پھونکنے کی ضرورت ہے۔ یہ آتش عشق تمہارے ہی اندر موجود ہے کہین باہر سے نہین آتی۔ اس لیئے ہمت کرنا نہین چاہیئے۔ ہر کام اور ہر پیشہ اور ہر حالت مین خدا کا ذکر اور اپنی روحانی ترقی کی فکر ہو سکتی ہے۔ اگر تم اس وقت کمزور ہو۔ کچھ مضائقہ نہین۔ ہمت نہ پست کرو۔ زور خود آجائے گا۔ اگر تم ہزار دفعہ ناکام ہو تو بھی شغل روحانی کو نہ چھوڑو اس کا نہ چھوڑنا ہی کامیابی ہے۔ اگر تم بالفعل نوجوان اور ناواقف ہو۔ ہمت قایم رکھو اور خدا کا ذکر کیئے جاؤ اور صبر و ثبات سے کام لو۔ دانشمندی اور علم خود آجائین گے۔ دل کو ہمیشہ خوش رکھو امید کو پست نہ کرو۔ اور جہان تک وقت مل سکے روح کی ترقی کرو

لیے کچھ نہ کچھ کرتے رہو - اگر خدا نخواستہ تم پر کوئی رنج وغم حادثہ یا مصیبت طاری ہو - تو یہ دریافت کرو کہ اس سے ہمین کیا روحانی سبق حاصل ہو سکتا ہے اور صبر اور تسلیم و رضا پر ہم اسوقت کس طرح عمل پیرا ہو سکتے ہین اگر ہم کو عیش و آرام اور دنیاوی کامیابیان نصیب ہون - تو ہمکو چاہئے کہ ہم اپنے بھائیون کو بھی ان مین شریک کرین اور انھین بھی ان سے فائدہ پہنچائین - یاد رہے کہ ہمارا کرہ ارض خدا کے دل مین گردش کھا رہا ہے اور وہی ہمارے اطراف و جوانب محیط ہے - اسی کے بے حد رحم و کرم و فضل و احسان اور عقلمندی پر ہماری زندگی کا دار و مدار ہے - جب تم کو اس بات پر یقین کامل ہے تو اب تم کو کسی چیز سے خوف بے فائدہ ہے اور تمہارا رنج و غم مایوسی اور ہراس سب بے اصل وہم و خیال ہین ہمیشہ اپنی نظر کو اس خدا کی طرف جمائے رکھو جو کبھی تمہاری آنکھون سے غائب نہین ہوتا - وہ ازلی اور ابدی ہے - وہی پیدا کرتا - پرورش کرتا اور مارتا ہے اس کے سوا کسی سے کوئی امید رکھنا نہایت ہی سفاہت اور جہالت ہے - جو لوگ اس دنیا کے تلاطم مین ایک ناخدا کی طرح قطب حق پر نظر رکھتے ہین اور ہر حالت مین اپنے کامون کو اس کے سپرد کر دیتے ہین وہ اس طوفان دنیا کی ہلاکت سے محفوظ رہتے ہین اور ان کی کشتی عمر اس بحر ہلاکت سے بال بال بچ جاتی ہے -

خاتمہ کتاب پر ہم اس قدر لکھنا اور ضروری سمجھتے ہین کہ اگر کوئی شخص اس قدر دنیا مین انہماک اور اشتغال رکھتا ہے کہ وہ دو ایک گھنٹے بھی

عبادت الٰہی میں بغرض ترقی روحانی مصروف رہ سکتا تو وہ سخت خوف وخطر میں ہے اور اس کی یہ حالت خطرناک اور قابل افسوس ہے خدا ایسے غافل اشخاص کو بیدار فرمالے اور انھیں اس عذاب الیم سے نکالے جو ہمارے ہجر سے تعبیر کیجا سکتی ہے۔

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

المرقوم ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۲۹ھ

راقم
محب حسین

اشرف حسین عابدی - ایم اے - بی ایچ ڈی -

احمد حسین آئی..